رسائل
۱۲۸

رجسٹرڈ نمبر اے



سال نامہ

سرگزشت علی گڑھ

۱۹۴۱

عشرہ وار - باتصویر و بلاتصویر
ہر ماہ میں تین بار
یکم و ۱۱ و ۲۱ تاریخ
قیمت سالانہ
تین روپیہ (سے ر)

اڈیٹر و پرنٹر و پبلشر
ابراہیم بیگ علیگ

مقام اشاعت
سرگزشت پریس علیگڑھ

یعنی

نظام نمبر

گزشتہ علیگڑھ

نظام نمبر



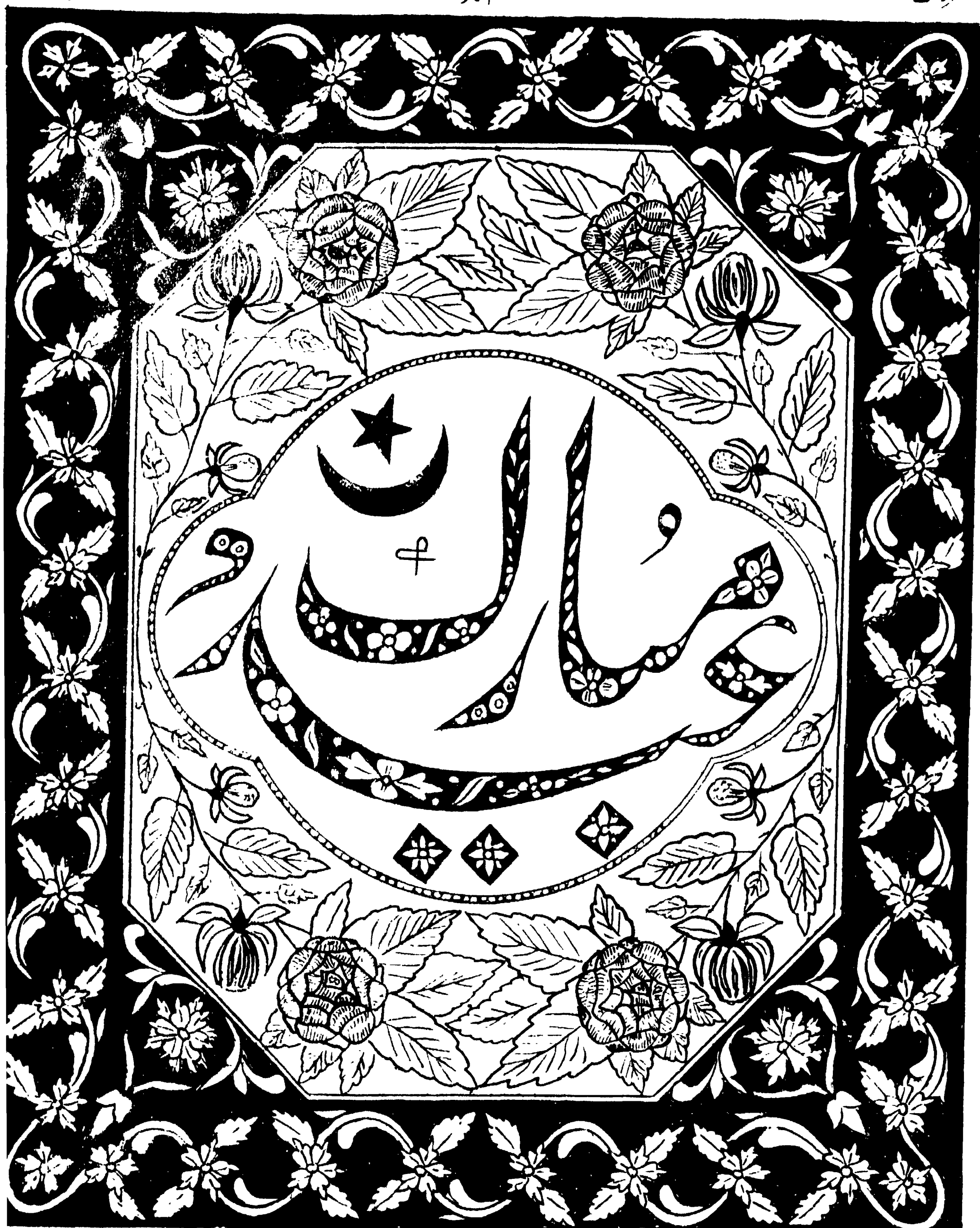
یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند


نقشہ سلطنت حیدرآباد دکن سرکار عالی و علاقہ
علامات نقشہ
ملک کی حد
ضلع کی حد
مستقر ضلع
مستقر تعلقہ
مستقر جاگیر یا پائیگاہ
ندی
ریل
ریل زیر تعمیر
پہاڑ
ملک برار
ملک خاندیس
ضلع عادل آباد
ضلع بیدر
ضلع محبوب نگر
ضلع کرنول



حضرت اقدس و اعلیٰ قدر قدرت رستم شوکت دارا حشمت فریدوں بصیرت ہز اگزالٹڈ ہائینس مظفر الملک والممالک آصف جاہ نظام الدولہ نظام الملک سپہ سالار

حضور پرنور نواب میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ سلطان العلوم جی سی ایس آئی جی سی ای ادام اللہ ملکہ


مبارک

تہنیت عید الفطر

حرمتِ عید از کلامِ پاک می آید بروں | در حدیثِ صاحبِ لولاک می آید بروں
تاک شاید برقِ مے دارد نہاں در شود گزو | دختِ رز با رنگ آتشناک می آید بروں
آفرین بر صنعتِ بے مثل نقاشِ ازل | صورتِ زیبا ز خس و خاک می آید بروں
تشنہ کامی را دگر آتش بجانِ من چہ غم | ابرِ رحمت از پسِ امساک می آید بروں
جامۂ ہستی بمستی پارہ کردن ہوش بود | روئے گل از دامنِ صد چاک می آید بروں
بادہ خور بر چنگ و بربط مغتنم فرصت شمار | کس نمی داند چہ از افلاک می آید بروں

نصرت و فتح است بر آئینۂ عثمان اقرب (آمین)
ایں ندا ہر دم ز عرشِ پاک می آید بروں (از اڈیٹر)

کلام الملوک ملوک الکلام

بتقریب میلاد النبی صلعم

اساسِ منزلِ ہستی ز تو بپا کردند — کہ ذاتِ پاکِ ترا شمعِ رہنما کردند

بجامِ حسنِ ازل ریختند بادۂ عشق — بشیشۂ جمع بہم دُرد و ہم صفا کردند

وفورِ حسن نگنجید در فضائے دو کون — مگر بسینۂ این خستہ جاں کہ جا کردند

کلیدِ میکدہ کردند وقفِ پیرِ مغاں — بروئے جرعہ کشاں بابِ خلد وا کردند

بساطِ قرب کشیدند چوں سرِ افلاک — بہ زیرِ پائے نوائے شاہِ دوسرا کردند

بہ چارہ سازیٔ دلِ خستگانِ بیچارہ — نگاہِ لطفِ ترا مایۂ شفا کردند

ہر آنکہ از عرب و روم و شام و ہند و عجم — رسید بر درِ تو حاجتش روا کردند

سپاسِ بخت کہ بر درگہت رساندم را — چہ جائے شکوہ کہ با من شہا چہا کردند

قدش کہ سایہ ندارد طفیلِ او عثماں
ہزار شکر ترا سایۂ خدا کردند

سلام

ضیائے چشم رسول خدا سلام علیک　　سرور خاطر خیر النساء سلام علیک

ذبیح سوختہ جان کنار رود فرات　　شہید خنجر کرب و بلا سلام علیک

بہ ہر ذات تو مصداق نص ذبح عظیم　　بہ خلق اسوۂ صبر و رضا سلام علیک

ہزار چشمۂ حیوان نثار تشنہ لبت　　ہزار زیست بہ مرگت فدا سلام علیک

بہ حفظ مقصد دین جان نثار فرمودی　　غریب و بیکس و بے آشنا سلام علیک

تو بدر اوج کرامت فدای تو جانم　　تو صدر بزم امامت شہا سلام علیک

چہ مزد داشت شہادت حسین از عثمان
نجات ماست ترا خون بہا سلام علیک



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحمداللہ کہ سرگزشت مادر یونیورسٹی کی خدمت اور علیگڑھ کی مجموعی صورت قائم رکھنے میں دو سال سے مصروف ہے اور آج فخر ملک و الدین سلطان العلوم حضور پرنور اعلحضرت بندگان عالی فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ کی خدمت اقدس میں نہایت ادب و انکسار کیساتھ اپنا ناچیز سالنامہ یعنی "نظام نمبر" پیش کرنیکی عزت حاصل کر رہا ہے۔

اس موقع پر ہم جملہ علیگڑھ اور دیگر ناظرین کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ علاوہ ان بیشمار احسانات کے جو شاہ دکن نے دنیا پر بالعموم اور ہندوستان پر بالخصوص کئے ہیں ان میں مسلمانان ہند پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ سرسید علیہ الرحمۃ نے جو علم کا بیج علی گڑھ میں بویا تھا وہ شاہ موصوف ہی کی جود و سخا کی بدولت آج سرسبز و شاداب ہے۔ شاہ موصوف نے ہماری یونیورسٹی کو ہمیشہ گرانقدر امداد فرمائی ہے۔ اور حال ہی میں جبکہ نواب مسعود جنگ بہادر نے شاہ ممدوح کے حضور اس کی سقیم حالت کا اظہار کیا تو ممدوح الشان نے نہ صرف دس لاکھ کے گرانقدر عطیہ سے یکمشت امداد فرمائی بلکہ مستقل امداد میں بھی معتد بہ اضافہ فرمایا۔

کیونکر نہ کہیں ہم اسے فطرت کا تقاضہ ؎ رکتا نہیں دینے سے کبھی ہاتھ سخی کا

سرگزشت نے اپنے دوسرے سالنامہ کو اس ذات گرامی کے نام نامی سے موسوم کرکے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور دست بدعا ہے کہ خدائے پاک و برتر ہماری اس سعی کو جو سمندر کے حضور ایک قطرہ اور آفتاب کے سامنے ذرہ ہے شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

اعتراف

ناظرین کرام بخوبی واقف ہیں کہ سرگزشت کے اجرا کا بڑا مقصد علیگڑھ کو مادر یونیورسٹی سے منسلک رکھنا اور اس رشتہ کو جو کچھ عرصہ سے یونیورسٹی کی چہار دیواری سے نکلنے کے بعد کمزور ہو جاتا ہے مضبوط کرنا ہے۔ سرگزشت علیگڑھ کا سوشل پرچہ ہے جو مادر یونیورسٹی کے روزانہ حالات علیگڑھ تک پہنچاتا اسکی ضروریات کو انکے پیش نظر کرتا اور خود علیگڑھ کو ایکدوسرے کے حالات سے باخبر رکھتا ہے۔ خدا پاک و برتر کا شکر ہے کہ اس قلیل عرصہ میں اسکی شہرت نہ صرف ہند بلکہ اقطاع عالم میں جہاں کہیں بھی علیگڑھ موجود ہیں پہنچ چکی ہے۔ سر سید علیہ الرحمۃ کے حق اولین کے خیال سے سرگزشت نے اپنا پہلا سالنامہ "سر سید نمبر" شائع کیا بانی یونیورسٹی کے بعد جو سب سے بڑی ہستی اس دنیا میں اس غریب درسگاہ کی ہر طرح خبر گیراں و معاون ہے وہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی حضور پرنور نظام عالی مقام کی ذات گرامی ہے۔ اس واسطے سرگزشت اپنے دوسرے سالنامہ کو اس ذات با برکات کے نام نامی پر موسوم کر کے اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔

ہم اپنے ان تمام علیگ بھائی اور ناظرین کرام کے شکر گزار ہیں جنھوں نے ۱۹۳۰ء میں اور خاصکر "نظام نمبر" کی تیاری کی خبر سنکر ہماری کافی امداد فرمائی ہے۔ برادر گرامی نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سید راس مسعود صاحب کے جنھوں نے ایک بڑا ذخیرہ تصاویر کا عنایت فرمایا اور صوبہ ہذا کے سب سے بڑے اور مخیر رئیس عالیجناب آنریبل نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ او۔ بی۔ ای آف بھیکم پور سابق وائس چانسلر یونیورسٹی و ہوم ممبر یو۔ پی گورنمنٹ کے جنھوں نے ایکہزار کے گرانقدر عطیہ سے سرگزشت کی اعانت فرمائی۔

برادران حیدرآباد سے اس امر کی ضرور شکایت ہے کہ باوجود ہماری مسلسل درخواستوں کے کسی صاحب نے نہ تو کوئی تحریری اعانت وہاں کے حالات بہم پہونچانے میں فرمائی اور نہ اپنے فوٹو و حالات عنایت فرمائے ورنہ آج نظام نمبر اس سے کہیں زیادہ شاندار ہوتا۔

آخر میں ہم مسٹر نشتر بلرامی کے بھی شکر گزار ہیں جنھوں نے مختلف اخبارات و رسائل سے اقتباس کر کے ہماری بہت کچھ امداد فرمائی ہے۔ چونکہ نظام نمبر کا فروخت کرنا ہم سوء ادب خیال کرتے ہیں اس واسطے کوئی صاحب اس کو قیمتاً طلب نہ فرمائیں۔ البتہ بطور نذر حاضر ہے۔ بشرطیکہ سرگزشت کی خریداری بھی منظور فرمائی جائے۔

ایڈیٹر

قطب شاہی سلاطین کا مرقع

سلطان قلی قطب شاہ بانی سلطنت قطب شاہی



سلطان ابوالحسن تانا شاہ از ۱۶۷۲ تا ۱۶۸۷ء



سلطان محمد قلی قطب شاہ رابع ۱۵۸۰ تا ۱۶۱۲



سلطان عبداللہ قطب شاہ سلطان سادس از ۱۶۲۶ تا ۱۶۷۲



پنڈت اکنا وزیر اعظم تانا شاہ از ۱۶۷۲ تا ۱۶۸۷ء



پنڈت مدنا وزیر اعظم تانا شاہ ۱۶۷۲ تا ۱۶۸۷ء



عہد قطب شاہی کا مشہور وزیر
محمد سعید میر جملہ



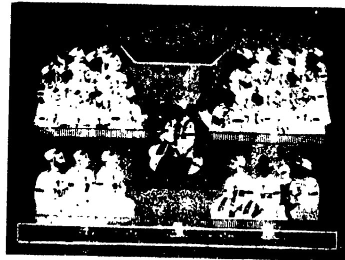
عہد تاناشاہ کی مشہور عورت تارامتی



عہد تاناشاہ کی مشہور عورت پیمامتی



شاہ گولکنڈہ نظام علی خان کا منظر دربار



عہد قطب شاہی کا مشہور وزیر
محمد سعید میر جملہ



عہد تاناشاہ کی مشہور عورت تارامتی



عہد تانا شاہ کی مشہور عورت پیمامتی



شاہ گولکنڈہ نظام علی خاں کا منظر دربار



تاریخ ابتدائی

ریاست حیدرآباد دکن

(سیّد آل حسن گنگیری ضلع علیگڑھ)

شہر حیدرآباد مملکت حضور نظام کا دار السلطنت ہے جو دریائے موسیٰ کے سواحل پر آباد ہے۔ یہ شہر ایک دیوار سے محیط ہے جس میں متعدد پھاٹک اور دروازے ہیں۔ شہر حیدرآباد کو سلطان محمود قلی قطب شاہ نے ۱۵۹۰ء میں آباد کیا تھا۔ یہ بھاگ نگر کہلاتا تھا جو سلطان کی بیوی بھاگ متی کے نام کی مناسبت سے تھا مگر بعد میں حیدرآباد کہلانے لگا۔

سب سے قدیمی تاریخی نسل جسکا تعلق دکن سے تھا اندھرا تھی جو کہ راجہ اشوک کی وفات کے بعد دو سو چالیس سال قبل مسیح آزاد ہو گئی تھی اور مدت مدید تک دکن پر حکمراں رہی۔ حکومت اندھرا کے زمانہ میں ہندو اور بدھ مت خوب پھیلے اور یہ کہا جاتا ہے کہ بہت سے پردیسیوں نے بھی ان مذاہب میں خوبیاں دیکھکر ان میں سے کسی ایک کو قبول کیا۔ اس زمانہ میں ملک دولتمند اور خوش حال تھا۔ خاندان اندھرا کے اختتام کے بعد چالکیہ خاندان نے دکن پر حکومت کی اور اس نسل کا بانی پلاکشن تھا۔ پلاکشن ثانی کی عمدہ حکومت کو تاریخ میں افضلیت کا درجہ ملا ہے۔ اور مشہور چینی مورّخوں نے جنھوں نے اس زمانہ میں دکن کی سیاحت کی لکھا ہے۔ اسکے خیالات وسیع اور عمیق ہیں اور وہ اپنی ہمدردی اور فیاضی کو وسیع پیمانہ پر دراز کئے ہوئے ہے۔ اس کی رعایا اس سے نہایت پر خلوص محبت کرتی ہے۔ زمین زرخیز ہے اور غلہ خوب

پیدا ہوتا ہے۔ آب و ہوا گرم ہے۔ عادات و اطوار نہایت سادہ اور ایماندارانہ ہیں۔ باشندے طویل القامت غیر متمدن اور خوددار ہیں۔ کوئی جنرل لڑائی میں شکست کھاتا ہے تو اس کو قانونی سزا کی بجائے زنانہ لباس پہناتے ہیں اور اسطرح وہ اپنی جان تک دے دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پلاکسن نے اپنی حکومت کے اختتام پر راجہ پلاوا کے ہاتھ سے شکست کھائی جسکا نام نرا سمہا ورما تھا اور سات سو ترپن عیسوی میں راشٹر کتا خاندان نے دکن پر اپنا پرچم لہرایا۔

اس نسل کا پہلا راجہ کرشن تھا۔ یہ اپنے ایک چٹان میں تراشے ہوئے کیلاش کے خوبصورت مندر کی وجہ سے اول ہی یہ مندر الورا غار میں ہے اور اپنی عمارتی خوبصورتی میں مشہور ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس مندر میں بدھ جینیوں اور ہندوؤں کے کتبے اور مورتیں ایکساتھ موجود ہیں۔ نو سو تہتر عیسوی میں راشٹر کتا خاندان ایک چالکیہ خاندان کے سردار کے ہاتھ سے پامال ہوا اور اس طرح پرانا چالکیہ خاندان دوبارہ عالم وجود میں آیا۔

سب سے اول ۱۲۹۲ء میں دکن پر مسلمانوں کا حملہ ہوا۔ یہ حملہ زیر کمان علاؤ الدین تھا۔ خاندان بہمنی جو کہ شاہان اسلام کی ایک نسل تھا دکن پر تقریباً دو سو سال تک حکمراں رہا۔ اس خاندان میں اٹھارہ بادشاہ ہوئے اور اس کا بانی ایک افغان تھا جو کہ دہلی کے بادشاہ محمد بن تغلق کا ملازم تھا۔ اس نے دکن پر ۱۳۱۵ء اور ۱۳۵۱ء کے درمیان حکومت کی۔ اس نے اپنی سلطنت شمال میں بہار سے لیکر جنوب کی سلطنت وجے نگر کے حدود تک وسیع کر لی تھی۔ اسکی وفات ۱۳۵۸ء میں ہوئی۔ محمد شاہ اول جو کہ اس کا بیٹا تھا اسکے بعد جانشین ہوا۔ اس کی حکومت میں دکن میں اسلامی سکہ رائج ہوا۔ تقریباً سترہ سال کی حکومت کے بعد ۱۳۷۵ء میں اُسنے وفات پائی۔ اسکا نوجوان بیٹا مجاہد اسکے بعد، تخت نشین ہوا۔ اسکی سلطنت بہت کم مدت تک رہی اور اسکے زمانہ میں ہندو و مسلم حکومتوں میں مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اُسنے والئ وجے نگر سے رائچور اور دیگر مقامات کا مطالبہ کیا اور جبکہ اسکا انکار ہوا تو اعلان جنگ ہوا۔ دونوں جانب سخت نقصان ہوا۔ جبکہ مجاہد شاہ میدان جنگ سے گھر واپس آ رہا تھا تو ایک شخص داؤد نامی کے ہاتھ سے بری طرح قتل ہوا جس کا ڈیڑھ ماہ کی قلیل بادشاہت کے بعد وہی انجام ہوا جو مجاہد شاہ کا ہوا۔

مجاہد کا بیٹا محمد ۱۳۷۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اسکی حکومت میں امن و امان تھا اور والئ وجے نگر سے صلح ہو گئی تھی۔ وہ علوم و فنون کا بیحد شائق اور قدردان تھا۔ اُسنے وہ زندگی بسر کی جسمیں خودغرضی کا دخل نہ تھا اور دیگر بادشاہوں اور اپنی رعایا کی نظر میں عزت و وقار حاصل کئے ہوئے تھا۔ اُسنے ۱۳۹۵ء میں حکومت اور رحلت کی۔

محمد کے دو بیٹے تخت نشین ہوئے لیکن انکی حکومت زیادہ مدت تک جاری نہ رہی۔ بعد ازاں فیروز خاں نے زمام

سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور اس نے اور اسکے بھائی نے تقریباً ۳۰ سال تک بادشاہت کی اور تاریخ شاہد ہے کہ بہمنی خاندان کی تاریخ میں یہ زمانہ حد سے زیادہ فارغ البال تھا۔ اُسنے بہتیرے مجاہدے کئے اور اپنی سلطنت کو وسیع تر بنایا۔ اس نے سلطنت وجے نگر پر بھی حملے کئے اور بادشاہ کو اس کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور ہونا پڑا اور اس کی لڑکی بادشاہ کے نکاح میں آئی۔ اس کی وفات ۱۴۲۲ء میں ہوئی اور احمد شاہ والی جو کہ فیروز شاہ کا بھائی تھا تخت نشین ہوا۔ بارہ سال کی حکومت کے بعد ۱۴۳۵ء میں اسکا انتقال ہوگیا اور بدر میں دفن ہوا۔ بعد ازاں علاؤالدین نے اپنے باپ احمد شاہ والی کی جگہ لی اور ۱۴۳۵ء اور ۱۴۵۷ء کے درمیان حکومت کرنیکے بعد ۱۴۵۷ء میں وفات پائی۔

ہمایوں نے اپنے باپ کی جانشینی کی مگر اسکی حکومت جابرانہ انداز پر تھی اور وہ اپنی رعایا کی نظروں سے گرا ہوا تھا۔ تقریباً چار سال کی حکومت کے بعد ایکدن اپنے ایک ملازم کے ہاتھ سے بحالت نشہ مارا گیا۔ اسکا خوردسال بیٹا نظام شاہ ۱۴۶۱ء میں تخت پر بٹھایا گیا اور انتظام اس کی ماں اور وزرار کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس کی حکومت بہت قلیل تھی اور وہ اپنی تخت نشینی کے دو سال بعد مر گیا۔ اسکا جانشین اسکا بھائی محمد شاہ نو سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور حسب سابق اسکے نام سے اس کی ماں اور وزرار حکومت کرتے تھے۔ دربار کی یہ خوش قسمتی تھی کہ ان میں ایک ایسا عقلمند وزیر محمد گوان نامی موجود تھا جس نے اپنے وجود کو سلطنت کی خدمت کیلئے کلیتہً وقف کر دیا تھا۔ وہ تمام شعبہ جات انتظامیہ پر حاوی تھا۔ لہذا امن و امان اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ وزیر ۱۴۸۲ء میں مارا گیا اور اس نامور خاندان کا زوال محمد شاہ اور اس کے وزیر کے انتقال کے بعد شروع ہوگیا۔ محمد شاہ کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا اور ۳۷ سال تک حکومت کی اُسنے ایک شخص حسین نامی کو اپنا مشیر مقرر کیا جس نے محمد گوان وزیر کے قتل کی سازش کی تھی لیکن اسکو بہت جلد قتل کئے جانیکا حکم دیدیا گیا۔ بعد ازاں قاسم بیرود مشیر خاص ہوگیا اور اُسنے اور اسکے بیٹے امیر بیرود نے سلطنت کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لیلیا۔ بادشاہ محمد کی حیثیت محض ایک کھلونہ کی سی تھی۔ بادشاہ ۱۵۱۸ء میں مر گیا اور اسکی وفات کے بعد سلطنت برائے نام رہگئی۔ یہ حالت ۱۵۲۶ء میں آخری بادشاہ کی وفات تک رہی۔ بعد ازاں یہ برائے نام سلطنت ختم ہوگئی۔ خاندان بہمنی میں پانچ مسلم بادشاہتیں علیحدہ علیحدہ قائم ہوئیں۔ انکے نام دکن کی پانچ شاہی تھا۔ ہر حصہ کا حاکم آزاد تھا۔ سلطنتیں یہ تھیں

(۱) عماد شاہی........ برار (۲) عادل شاہی........ بیجاپور (۳) نظام شاہی........ احمد نگر (۴) بیرود شاہی...... بدر

(۵) قطب شاہی........ گولکنڈہ

سلطنت قطب شاہی (گولکنڈہ) کے بانی سلطان قلی قطب شاہ تھے۔ انکی دارالسلطنت گولکنڈہ تھا۔ انھوں نے وارنگل،

کے زمینداروں سے جنگ کی اور قلعجات کھماآت اور مالاکنڈہ اپنے قبضہ میں لیلیئے جب بانی بہت بڈھے ہو گئے تھے تو ایکروز گولکنڈہ
کی مسجد میں معروف عبادت تھی کہ انکے بیٹے جمشید کو سلطنت کرنیکی غرض سے دفعتہً تخت نشین کردیا گیا اور جمشید کے اشتعال سے
وہ ایک ملازم کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کیساتھ قتل ہوئے۔ جمشید نے نہایت قلیل مدت تک حکومت کی اور اسکا جانشین اسکا
بیٹا سلطان قلی ہوا جو کہ اسکے زمانہ میں بہت کمسن تھا اور اسوقت جمشید کے بھائی اور سبحان قلی کے چچا ابراہیم کو اسکے دوستوں
نے تخت حاصل کرنیکی ترغیب دی۔ اسکے مطابق ابراہیم نے ایک مختصر فوج تیار کی۔ گولکنڈہ پر حملہ کیا اور بغیر کسی مقابلہ کے
اس کو لیلیا۔ ایک معمولی علالت کے بعد ابراہیم ۱۵۸۰ء میں مرگیا اور اسکا جانشین اسکا تیسرا بیٹا محمد قلی ہوا جس نے شہر
حیدرآباد کی بنیاد قائم کی۔ اسکی وفات کے بعد اسکا بھتیجہ سلطان محمد اسکا جانشین ہوا اور دوسرا حکمران عبداللہ قطب تھا
جسکے زمانہ میں حضرت اورنگزیب علیہ الرحمۃ نے حیدرآباد کے معاملات میں دخل اندازی شروع کی۔ اس زمانہ میں میر جملہ
گولکنڈہ کا وزیر اعظم تھا اور اسکے بیٹے نے اسکو عدالت کیساتھ ایک تنازعہ میں مبتلا کردیا۔ وزیر اعظم نے بادشاہ کے یہاں
مراعات کیلیئے اپیل کی اور چونکہ وہ رد کردیگئی تھی اسلیئے اسنے مغل بادشاہ سے مدد کی درخواست کی۔ شاہجہان نے میر جملہ کی
درخواست کی سماعت کی اور فی الفور عبداللہ شاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ میر جملہ کی شکایات کا دفعیہ کرے۔ جب عبداللہ
نے مغل شہنشاہ کا مراسلہ دیکھا تو وہ غصہ سے لال پیلا ہوگیا اور میر جملہ کے بیٹے کو قید خانہ میں بند کردیا۔ پھر شاہجہان نے اورنگزیب کو
اپنے احکام کی تعمیل کرانے کیلیئے مامور کیا۔ اورنگزیب نے یکایک حملہ بولدیا اور عبداللہ کو حفاظت کیخاطر پہاڑوں میں بھاگنا پڑا اور اسطرح حیدرآباد
اورنگزیب کے قبضہ میں آیا۔ عبداللہ نے مغل بادشاہ سے ایک صلح کی اور سالانہ خراج کی قسط اول کے سلسلہ میں ایک کروڑ روپیہ ادا کیا۔ جب اورنگزیب
نے رحلت کی تو سلطنت مغلیہ بھی قوت و اقتدار کھونے لگی۔ اس زمانہ میں آصفجاہ اول جو کہ نظام الملک کہلاتے تھے اپنی آزادی کا بحیثیت صوبہ دار
دکن ۱۷۱۵ء میں اعلان کیا اور حیدرآباد دارالخلافہ ہوا۔ ہز اگزالٹڈ ہائینس حضور نظام کا شجرۂ نسلی والد کیطرف سے خلیفہ ابوبکرؓ تک پہنچتا ہے اور والدہ
کیطرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت ابوبکرؓ نے مکہ کے پانچ خاص آدمیوں کو مسلمان کیا تھا جو کہ بعد میں حضرت محمد صلعم کیخدمت کیلیئے
مفید ثابت ہوئے۔ انکی نسل میں ایک بزرگ شیخ شہاب الدین تھے جو ایران کے ایک صوبہ میں رونق افروز ہوئے اور جو اپنے زہد و علم میں مشہور
تھے۔ شیخ شہاب الدین کی وفات سے چند صدیوں کے بعد ایک نسلی خان ہندوستان ۱۶۵۶ء میں آئے۔ اس زمانہ میں مغل بادشاہ شاہجہان تھے
۱۶۶۰ء میں وہ مغل بادشاہ کی وزیر ہوگئے اور ۱۶۸۲ء میں اورنگزیب کے وزیر اعظم ہوئے۔ دوسرے سال سیف آباد کی صوبہ داری پر مقرر ہوئے

انکی وفات کے بعد انکے بیٹے میر شہاب الدین غیاث الدین خان فیروز جنگ جانشین ہوئے۔ یہ ہندوستان میں فرزندی اپنے والد کی وفات کے دس سال بعد آئے۔ ۱۶۸۲ء میں انکو مرہٹوں کے
مقابلہ میں کامیابی ہوئی اور انکی خدمات کے صلہ میں غیاث الدین خان بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔ دوسرے سال بیجاپور کے ایک مضبوط قلعہ کو لینے میں کامیاب ہوئے اور
انکو فیروز جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ ۱۷۰۷ء میں فیروز جنگ کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ یہ تقرر شہنشاہ بہادر شاہ کیجانب سے عمل میں آیا تھا۔ انکی بیوی
ایک سید انی تھیں اور جب ہی سے اس خاندان کو میر کا خطاب ہے۔ ۱۶۷۱ء میں غازی الدین کی بیوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام میر قمر الدین تھا یہ اپنے والد
کی وفات کے بعد اپنے والد کے خطابات کے مالک ہوئے اور سب سے پہلے نظام ہوئے۔

نواب میر قمرالدین چین قلیچ خان امیرالامرا نظام الملک
آصفجاہ بانی دولت آصفیہ اگست ۱۷۲۴ء



نواب ناصرالدولہ بہادر غفران منزل
آصفجاہ رابع ۱۸۲۹ تا ۱۸۵۷ء



نواب سکندر جاہ بہادر مغفرت منزل
آصف جاہ ثالث ۱۸۰۳ تا ۱۸۲۹ء



نواب نظام علیخان بہادر غفران ماب
آصف جاہ ثانی سنہ ۱۷۶۳ تا ۱۸۰۳ء



نواب میر سر محبوب علیخاں بہادر غفراں مکاں جی سی ایس
آئی جی سی بی آصف‌جاہ سادس از ۱۸۶۹ءتا ۱۹۱۱ء



نواب افضل‌الدولہ بہادور مغفرت مکاں
آصف‌جاہ خامس ۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء



منظر دربار نواب میر سر محبوب علی‌خان بہادر غفران مکان



شجرۂ خاندانی اعلیٰحضرت بندگان عالی متعالی حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ سلطان دکن مدظلہم العالی

خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

فردوس آرامگاہ افضل الدولہ
نواب تہنیت علی خاں بہادر
آصف جاہ خامس

فردوس آرامگاہ مغفرت
مآب نواب میر محبوب علیخاں بہادر
آصف جاہ سادس

مغفرت مآب
میر نظام علیخاں
آصف جاہ ثانی

غفران مآب ناصر الدولہ
نواب فرخندہ علیخاں
آصف جاہ رابع

جنت آرامگاہ
میر احمد علی
ناصر جنگ

جنت آرامگاہ
نواب سکندر جاہ
آصف جاہ ثالث

خلد مکان
میر سید محمد
امیر الممالک

غفران مکان نواب میر
قمرالدین نظام الملک آصف جاہ

خلد آشیاں میر
شہاب الدین
فیروز جنگ اول

فردوس مکان میر عابد قلیچ خاں مورث
اعلیٰ تاجدار دکن

مختصر حالاتِ سلاطینِ دکن

(۱)

فردوس مکان میر عابد قلیچ خاں شمورِ اعلیٰ

از اولاد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان

"جن کا سلسلۂ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے ملتا ہے۔"

عہد شاہجہانی میں ایک بزرگ ہندوستان تشریف لائے جنکا اسم مبارک میر عابد تھا، ہندوستان آکر اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں شامل ہوئے۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے تخت نشین ہوکر جوہر ذاتی اور شرافت نسبی کی وجہ سے آپکو منصب پنجہزاری عطا فرمایا ۱۰۷۰ھ میں گورنر صوبہ فرمایا ۱۰۸۱ھ میں ملتان کی گورنری پر تبدیل فرمایا۔ آپ ۱۰۸۵ھ میں امیر الحاج ہوکر زیارت حرمین الشریفین تشریف لے گئے شہنشاہ نے آپکی عدم موجودگی ہی میں آپکو قلیچ خاں کا خطاب مرحمت فرمایا ۱۰۹۰ھ میں صدارت کل کے عہدہ پر مامور ہوئے ۱۶۸۲ء میں شاہزادہ اعظم شاہ کیساتھ دکن کی مہم پر تشریف لے گئے۔ گولکنڈہ کے محاصرہ میں شہنشاہ عالمگیر بھی جلوہ فرما تھے۔ اتفاق سے اس جنگ میں ایک گولی قلیچ خاں کے لگی، جس سے دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ صبر و استقلال کے تیور ملاحظہ فرمایئے کہ، جب شاہی وزیر شہنشاہ کی طرف سے انکی مزاج پرسی کو آیا ہی تو دوسرے ہاتھ سے قہوہ پی رہے تھے اور زخمی ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جرّاح نکال رہا تھا اور انکی پیشانی پر ذرا بھی شکن نہ تھا۔ آپ برابر گفتگو کرتے رہے زخم کاری تھا جاں بر نہ ہوسکے۔ تیسرے دن انتقال فرماگئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" حضرت اورنگزیب رح کو آپکے انتقال کا بڑا قلق ہوا آپکا مزار دکن ہی میں ہے۔

(۲)

خلد آشیاں میر شہاب الدین فیروز جنگ اوّل

میر عابد قلیچ خاں کے فرزند رشید میر شہاب الدین کو ۱۰۹۴ھ میں سلطان عالمگیر رح نے غازی الدین خاں بہادر کا خطاب عطا فرماکے سرفراز کیا۔ اور قلعہ راہبری کی فتح کے صلہ میں فیروز جنگ کا خطاب عطا ہوا اور قلعۂ گولکنڈہ کی فتح کے صلہ میں ہفت ہزاری منصب عطا ہوا۔ فیروز جنگ نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے۔ ان کی شادی نواب سعد اللہ خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ فیروز جنگ بھی دکن کی مہم پر شاہزادہ اعظم شاہ کی مدد کیلئے بھیجے گئے۔ انھوں نے بیجاپور کے معرکہ میں وہ وہ داد شجاعت دی کہ جب شہنشاہ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے انعامات کے علاوہ یہ دعائیہ الفاظ زبان مبارک سے ادا فرمائے۔ "چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فیروز جنگ کے حملوں سے اولاد تیموریہ کی ناک رکھ لی خدا اس کی اولاد کی آبرو قیامت تک برقرار رکھے۔"

۱۰۹۹ھ میں آپ کی قوت بینائی نے جواب دیدیا۔ محروم البصر ہونے کے بعد بھی جنگی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہ رہی۔ بالآخر ۱۱۰۹ھ میں جس مہم کی استیصال پر مامور تھے اس کو سرانجام دیا۔ یعنی سنتا گر کو گرفتار کراکے دربار شاہی میں بھیدیا۔ سلطان عالمگیر رح کی وفات کے بعد بہادر شاہ نے تخت نشین ہوکر فیروز جنگ کو گجرات کا صوبہ دار بناکر گجرات بھیدیا۔ ۱۱۲۲ھ میں بقضائے الٰہی فیروز جنگ نے انتقال فرمایا۔ لاش دہلی لائی گئی اور اجمیری دروازہ کے قریب دفن ہوئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

(۳)

جنّت مکان نواب میر قمر الدین نظام الملک آصف جاہ اوّل بانیٔ سلطنتِ آصفیہ

فیروز جنگ کو اللہ تعالیٰ نے نواب سعد اللہ خاں کی دختر بلند اختر کے بطن سے لڑکا عطا فرمایا۔ جن کا نام بعد میں قمر الدین نظام الملک آصف جاہ مشہور ہوا۔ شاہنشاہ عالمگیر رح کو ان سے بڑی محبت تھی۔ وہ ہمیشہ فرمایا کرتے

تھے کہ "اس بچہ کی پیشانی سے عظمت و حشمت ٹپکتی ہے کوئی بڑا آدمی بنیگا"

چنانچہ بعد کے واقعات نے بادشاہ کے قیافہ کو لفظاً و معناً ثابت کر دیا۔ ۱۴ ربیع الآخر سنہ ۱۰۸۲ھ کو آپ پیدا ہوئے۔ بادشاہ نے خود ان کا نام میر قمر الدین رکھا۔ چھ سال کی عمر میں بادشاہ نے منصب سے سرفراز فرمایا۔ سنہ ۱۰۹۶ھ میں منصب کا اضافہ فرما کر بیجاپور کا حاکم مقرر کیا۔ سنہ ۱۱۰۲ھ میں جب آپ کی عمر انیس سال کی تھی بادشاہ نے خاندانی خطاب چین قلیچ خاں عطا فرمایا۔ سلطان عالمگیر رح کے ہمراہ سنہ ۱۱۱۶ھ میں قلعہ واکنکیرا پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ سنہ ۱۱۱۸ھ میں فیروز نگر تاچی کوٹہ کا عہدہ فوجداری مرحمت ہوا۔ سنہ ۱۷۰۷ء میں انھوں نے معرکہ بدر میں بڑی مردانگی دکھائی۔ بہادر شاہ نے سنہ ۱۱۲۲ھ میں خان دوراں کا خطاب عطا فرما کر اودھ کا صوبہ دار مقرر فرمایا، عہد عالمگیری کے بعد چونکہ اکثر امور میں اس وقت بہت سے تغیرات ہوگئے تھے اس لئے آپ ان کو گوارا نہ فرما سکے اور تمام منصب وغیرہ ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔ جس وقت جہاندار شاہ سریر آرائے اورنگ حکومت ہوا تو اس نے چین قلیچ خاں میر قمر الدین کو زاویہ عزلت سے نکل کر منصب و امارت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جب اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو آپ نے مجبور ہو کر منصب پنجہزاری قبول کر لیا، جب عنان حکومت فرخ سیر کے ہاتھ میں آئی تو آپ کو منصب ہفت ہزاری اور نظام الملک فتح جنگ کا خطاب عطا فرما کے صوبہ دکن کی صوبہ داری مع فوجداری کرناٹک عطا کی کچھ دن کے بعد آپ کو مراد آباد سنبھل اور چند دیگر مقامات کی فوجداری تفویض فرما کر تبدیل کر دیا۔ جب فرخ سیر کے بعد شاہزادہ رفیع الدرجات تخت نشین ہوا تو آپ کو مراد آباد وغیرہ کے علاوہ مالوہ کی صوبہ داری بھی عطا فرمائی۔ سنہ ۱۱۳۲ھ میں امیر الامراء حسین علیخاں بارہہ صوبہ دار دکن کی بعض ناپسندیدہ حرکات سے کبیدہ خاطر ہو کر دکن سے اس کے کارندوں کو بیدخل کر کے دکن میں خود قابض ہو گئے۔ محمد شاہ نے تخت نشین ہو کر آپ کو مرتبہ وزارت عظمیٰ پر فائز المرام فرمایا۔ سنہ ۱۱۳۷ھ میں آپ کو آصف جاہ کا خطاب عطا ہوا۔ اسی سال آپ کچھ برداشتہ خاطر ہو کر دہلی سے دکن تشریف لے گئے۔ سنہ ۱۱۴۹ھ میں طلبی ہوئی۔ شاہی فرامین صادر ہوئے تو آپ اپنے فرزند ارجمند نظام الدولہ میر احمد خاں بہادر کو دکن میں اپنا جانشین بنا کر ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۹ھ کو روانہ ہو کر آخر ربیع الاول سنہ ۱۱۵۰ھ میں دہلی پہونچے۔ مالوہ اور اکبر آباد کی صوبہ داری کا انتظام پسر دہلی اس کے کچھ دن بعد امیر الامراء کا منصب عطا ہوا۔ سنہ ۱۱۵۳ھ میں میر نظام الدولہ نے دکن میں علم خودسری بلند کیا۔ آپ اپنے بیٹے میر محمد پناہ کو دہلی چھوڑ کر دکن روانہ ہو گئے۔ ۲۰ جمادی الاول سنہ ۱۱۵۴ھ کو اورنگ آباد کے قریب باپ بیٹے کا مقابلہ و معرکہ ہوا۔ بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ عرصہ سال تک بیٹا باپ کی نظر میں معتوب رہا۔ سنہ ۱۱۵۶ھ میں تقصیر معاف کر کے بدستور سابق دیوانی برار پر سرفراز فرمایا۔ انھیں دنوں دکن میں مرہٹے سر اٹھا رہے تھے انکے آتے ہی وہ پاؤں سر پر رکھ کے بھاگے۔ دکن میں فسادیوں کو فرار کر کے وہ انتظام میں مصروف تھے کہ محمد شاہ نے زور ڈال کر دہلی بلا لیا۔ جب نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کیا ہے تو اسوقت آصفجاہ ہی گردن میں تلوار لٹکا کر سامنے حاضر ہوئے اور دہلی کی کس مپرسی کی، کیفیت بیان کی۔ نادر شاہ نے فوراً قتل عام روک دیا اور آصفجاہ سے کہا کہ "بہ ریش سفیدت بخشیدم"

آصف جاہ کی حسن تدبیر کا اتنا زبردست اثر نادر شاہ پر پڑا کہ، اسنے چلتے وقت آصف جاہ سے کہا کہ میں نے تجھسا آدمی ہی نہیں دیکھا۔ تو تو بادشاہی کے قابل ہے۔ محمد شاہ میں بادشاہ بننے کی لیاقت نہیں۔ چاہیئے تجھے بادشاہ کیا۔ اگر کوئی تیری اطاعت سے سرتابی کریگا تو میں اسکی کھال کھینچونگا۔

آصف جاہ نے ترکیب سے نادر شاہ کو باز رکھا کہ آپ تو بادشاہی محمد شاہ کو عطا فرما چکے ہیں اب آپ مجھے کیسے بادشاہ بنا سکتے ہیں۔ لوگ آپ کو بدعہد نہ کہیں گے۔ آپ جیسے بادشاہ کے لئے یہ نازیبا ہے۔ نادر شاہ ان کی یہ وفاشعاری اور عقلمندی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

نادر شاہ کے جانے کے بعد آپ دکن چلے گئے۔ وہاں مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا تھا انھیں پسپا کیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کی خبر سنتے ہی دہلی کا، ارادہ کر رہے تھے کہ معلوم ہوا اُسے شکست ہوگئی۔ احمد شاہ نے بادشاہ بنتے ہی آصف جاہ کو وزیر بننے پر مجبور کیا لیکن انھوں نے عذر ضعیفی کر کے وزارت سے انکار کر دیا۔ آخر ۴ جمادی الآخر سنہ ۱۱۶۱ھ کو ۷۷ سال کی عمر میں بمقام برہان پور انتقال فرمایا اور اورنگ آباد میں دفن ہوئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون۔" آصف جاہ نے وقت رحلت چھ فرزند چھوڑے۔ (۱) میر محمد پناہ (۲) میر احمد نظام الدولہ ناصر جنگ (۳) میر سید محمد امیر الممالک صلابت جنگ آصف جاہ ثانی (۴) میر نظام علی خاں بہادر اسد جنگ (۵) میر محمد شریف

مختصر حالات سلاطین دکن

(۱) فردوس مکان میر عابد قلیچ خاں شور اعلیٰ

از اولاد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان "جن کا سلسلۂ نسب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے ملتا ہے"۔

عہد شاہجہانی میں ایک بزرگ ہندوستان تشریف لائے جنکا اسم مبارک میر عابد تھا، ہندوستان آکر اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں شامل ہوئے۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے تخت نشین ہوکر جوہر ذاتی اور شرافت نسبی کی وجہ سے آپکو منصب پنجہزاری عطا فرمایا سنہ ۱۰۷۰ھ میں گورنر صوبہ فرمایا سنہ ۱۰۸۱ھ میں ملتان کی گورنری پر تبدیل فرمایا۔ آپ سنہ ۱۰۸۵ھ میں امیر الحاج ہوکر زیارت حرمین الشریفین تشریف لے گئے شہنشاہ نے آپکی عدم موجودگی ہی میں آپکو قلیچ خاں کا خطاب مرحمت فرمایا سنہ ۱۰۹۰ھ میں صدارت کل کے عہدہ پر مامور ہوئے سنہ ۱۶۸۲ء میں شاہزادہ اعظم شاہ کیساتھ دکن کی مہم پر تشریف لے گئے۔ گولکنڈہ کے محاصرہ میں شہنشاہ عالمگیر بھی جلوہ فرما تھے۔ اتفاق سے اس جنگ میں ایک گولی قلیچ خاں کے لگی، جس سے دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ صبر و استقلال کے تیور ملاحظہ فرمایئے کہ، جب شاہی وزیر شہنشاہ کی طرف سے انکی مزاج پرسی کو آیا ہے تو دوسرے ہاتھ سے قہوہ پی رہے تھے اور زخمی ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جراح نکال رہا تھا اور انکی پیشانی پر ذرا بھی شکن نہ تھا۔ آپ برابر گفتگو کرتے رہے زخم کاری تھا جانبر نہ ہوسکے۔ تیسرے دن انتقال فرما گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" حضرت اورنگزیب رح کو آپکے انتقال کا بڑا قلق ہوا آپکا مزار دکن ہی میں ہے۔

(۲) خلد آشیاں میر شہاب الدین فیروز جنگ اول

میر عابد قلیچ خاں کے فرزند رشید میر شہاب الدین کو سنہ ۱۰۹۴ھ میں سلطان عالمگیر رح نے غازی الدین خاں بہادر کا خطاب عطا فرما کے سرفراز کیا۔ اور قلعہ راہیری کی فتح کے صلہ میں فیروز جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ قلعۂ گولکنڈہ کی فتح کے صلہ میں ہفت ہزاری منصب عطا ہوا۔ فیروز جنگ نے بڑے بڑے کارنامے دکھائے۔ ان کی شادی نواب سعد اللہ خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ فیروز جنگ بھی دکن کی مہم پر شاہزادہ اعظم شاہ کی مدد کیلئے بھیجے گئے۔ انھوں نے بیجاپور کے معرکہ میں وہ وہ داد شجاعت دی کہ جب شہنشاہ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے انعامات کے علاوہ یہ دعائیہ الفاظ زبان مبارک سے ادا فرمائے۔ "چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فیروز جنگ کے حملوں سے اولاد تیموریہ کی ناک رکھ لی خدا اس کی اولاد کی آبرو قیامت تک برقرار رکھے۔"

سنہ ۱۰۹۹ھ میں آپ کی قوت بینائی نے جواب دیدیا۔ محروم البصر ہونے کے بعد بھی جنگی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہ رہی۔ بالآخر سنہ ۱۱۰۹ھ میں جس مہم کی استیصال پر مامور تھے اس کو سرانجام دیا۔ یعنی سنتا گر کو گرفتار کرا کے دربار شاہی میں بھیجدیا۔ سلطان عالمگیر رح کی وفات کے بعد بہادر شاہ نے تخت نشین ہوکر فیروز جنگ کو گجرات کا صوبہ دار بناکر گجرات بھیجدیا۔ سنہ ۱۱۲۲ھ میں بقضائے الٰہی فیروز جنگ نے انتقال فرمایا۔ لاش دہلی لائی گئی اور اجمیری دروازہ کے قریب دفن ہوئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

(۳) جنت مکان نواب میر قمر الدین نظام الملک آصف جاہ اوّل بانی سلطنت آصفیہ

فیروز جنگ کو اللہ تعالیٰ نے نواب سعد اللہ خاں کی دختر بلند اختر کے بطن سے لڑکا عطا فرمایا۔ جن کا نام بعد میں قمر الدین نظام الملک آصف جاہ مشہور ہوا۔ شاہنشاہ عالمگیر رح کو ان سے بڑی محبت تھی۔ وہ ہمیشہ فرمایا کرتے

تھے کہ "اس بچہ کی پیشانی سے عظمت و حشمت ٹپکتی ہے کوئی بڑا آدمی بنیگا" چنانچہ بعد کے واقعات نے بادشاہ کے قیافہ کو لفظاً و معناً ثابت کردیا۔ ۱۴ ربیع الآخر ۱۰۸۲ھ کو آپ پیدا ہوئے۔ بادشاہ نے خود ان کا نام میر قمر الدین رکھا۔ چھ سال کی عمر میں بادشاہ نے منصب سے سرفراز فرمایا۔ ۱۰۹۷ھ میں منصب کا اضافہ فرماکر بیجاپور کا حاکم مقرر کیا۔ ۱۱۰۲ھ میں جب آپ کی عمر انیس سال کی تھی بادشاہ نے خاندانی خطاب چین قلیج خاں عطا فرمایا۔ سلطان عالمگیر رح کے ہمراہ ۱۱۱۶ھ میں قلعہ واکنگیرا پر حملہ کرکے اُسے فتح کیا۔ ۱۱۱۸ھ میں فیروز نگر ناچی کوٹہ کا عہدہ فوجداری مرحمت ہوا۔ ۱۷۰۷ء میں انھوں نے معرکۂ بدر میں بڑی مردانگی دکھائی۔ بہادر شاہ نے ۱۱۲۲ھ میں خان دوراں کا خطاب عطا فرماکر اودہ کا صوبہ دار مقرر فرمایا، عہد عالمگیری کے بعد چونکہ اکثر امور میں اس وقت بہت سے تغیرات ہوگئے تھے اس لئے آپ ان کو گوارا نہ فرماسکے اور تمام منصب وغیرہ ترک کرکے گوشہ نشین ہوگئے۔ جس وقت جہاندار شاہ سریر آرائے اورنگ حکومت ہوا تو اس نے چین قلیج خاں میر قمر الدین کو زاویۂ عزلت سے نکل کر منصب و امارت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جب اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو آپ نے مجبور ہوکر منصب پنجہزاری قبول کرلیا، جب عنان حکومت فرخ سیر کے ہاتھ میں آئی تو آپ کو منصب ہفت ہزاری اور نظام الملک فتح جنگ کا خطاب عطا فرماکے صوبہ دکن کی صوبہ داری مع فوجداری کرناٹک عطا کی کچھ دن کے بعد آپ کو مراد آباد سنبھل اور چند دیگر مقامات کی فوجداری تفویض فرماکر تبدیل کردیا۔ جب فرخ سیر کے بعد شاہزادہ رفیع الدرجات تخت نشین ہوا تو آپ کو مراد آباد وغیرہ کے علاوہ مالوہ کی صوبہ داری بھی عطا فرمائی۔ ۱۱۳۲ھ میں امیر الامرا حسین علیخاں، بارہہ صوبہ دار دکن کی بعض ناپسندیدہ حرکات سے کبیدہ خاطر ہوکر دکن سے اس کے کارندوں کو بیدخل کرکے دکن میں خود قابض ہوگئے۔ محمد شاہ نے تخت نشین ہوکر آپ کو مرتبۂ وزارت عظمٰی پر فائز المرام فرمایا۔ ۱۱۳۸ھ میں آپ کو آصف جاہ کا خطاب عطا ہوا۔ اسی سال آپ کچھ برداشتہ خاطر ہوکر دہلی سے دکن تشریف لے گئے ۱۱۴۹ھ میں طلبی ہوئی۔ شاہی فرامین صادر ہوئے تو آپ اپنے فرزند ارجمند نظام الدولہ میر احمد خاں بہادر کو دکن میں اپنا جانشین بناکر ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۴۹ھ کو روانہ ہوکر آخر ربیع الاول ۱۱۵۰ھ میں دہلی پہونچے۔ مالوہ اور اکبرآباد کی صوبہ داری کا انتظام سپرد ہوا

اس کے کچھ دن بعد امیر الامرا کا منصب عطا ہوا۔ ۱۱۵۳ھ میں میر نظام الدولہ نے دکن میں علم خودسری بلند کیا۔ آپ اپنے بیٹے میر محمد پناہ کو دہلی چھوڑکر دکن روانہ ہوگئے۔ ۲۰ جمادی الاول ۱۱۵۴ھ کو اورنگ آباد کے قریب باپ بیٹے کا مقابلہ و معرکہ ہوا۔ بیٹے کو گرفتار کرلیا۔ عرصہ ۵ سال تک بیٹا باپ کی نظر میں معتوب رہا۔ ۱۱۶۰ھ میں تقصیر معاف کرکے بدستور سابق دیوانی برار پر سرفراز فرمایا۔ انھیں دنوں دکن میں مرہٹے سر اٹھا رہے تھے انکے آتے ہی وہ پاؤں سر پر رکھ کے بھاگے۔ دکن میں مفسدین کو فرار کرکے وہ انتظام میں مصروف تھے کہ محمد شاہ نے زور ڈالکر دہلی بلالیا۔ جب نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کیا ہے تو اسوقت آصفجاہ ہی گردن میں تلوار لٹکاکر سامنے حاضر ہوئے اور دہلی کی کس مپرسی کی کیفیت بیان کی۔ نادر شاہ نے فوراً قتل عام روک دیا اور آصفجاہ سے کہا کہ "بہ ریش سفیدت بخشیدم"

آصف جاہ کی حسن تدبیر کا اتنا زبردست اثر نادر شاہ پر پڑا کہ رستے چلتے وقت آصف جاہ سے کہا کہ میں نے تجھسا آدمی ہی نہیں دیکھا۔ تو تو بادشاہی کے قابل ہے۔ محمد شاہ میں بادشاہ بننے کی لیاقت نہیں۔ جا میں نے تجھے بادشاہ کیا۔ اگر کوئی تیری اطاعت سے سرتابی کریگا تو میں اسکی کھال کھینچونگا۔

آصف جاہ نے ترکیب سے نادر شاہ کو باز رکھا کہ آپ تو بادشاہی محمد شاہ کو عطا فرماچکے ہیں اب آپ مجھے کیسے بادشاہ بناسکتے ہیں۔ لوگ آپ کو بدعہد نہ کہیں گے۔ آپ جیسے بادشاہ کے لئے یہ نازیبا ہے۔ نادر شاہ ان کی یہ وفاشعاری اور عقلمندی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

نادر شاہ کے جانے کے بعد آپ دکن چلے گئے۔ وہاں مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا تھا انھیں پسپا کیا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کی خبر سنتے ہی دہلی کا ارادہ کررہے تھے کہ معلوم ہوا اسے شکست ہوگئی۔ احمد شاہ نے بادشاہ ہوتے ہی آصف جاہ کو وزیر بننے پر مجبور کیا لیکن انھوں نے عذر ضعیفی کرکے وزارت سے انکار کردیا۔ آخر ۴ جمادی الآخر ۱۱۶۱ھ کو ۷۷ سال کی عمر میں مقام بُرہان پور انتقال فرمایا اور اورنگ آباد میں دفن ہوئے۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ آصف جاہ نے وقت رحلت چھ فرزند چھوڑے۔ (۱) میر محمد پناہ (۲) میر احمد نظام الدولہ ناصر جنگ (۳) میر سید محمد امیر الممالک صلابت جنگ آصف جاہ ثانی (۴) میر نظام علی خاں بہادر اسد جنگ (۵) میر محمد شریف

بصلابت جنگ (۶) برہان الملک میر مغل علی ناصر جنگ

(۴)

فردوس مکان میر احمد علی نظام الدولہ ناصر جنگ

آصف جاہ اوّل میر قمر الدین خاں کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں خانہ جنگی ہوتی رہی۔ پہلے ۱۱۶۱ھ میں چھوٹے بیٹے ناصر جنگ گدّی پر بیٹھے۔ وہ محمد علی کے دوست تھے جو انگریزوں کا یار تھا، مظفر جنگ بڑے بیٹے گدّی کو اپنا حق سمجھتے تھے اس لئے وہ چندا صاحب فرانسیسیوں کے حلیف سے امداد کے خواہاں ہوئے۔ انگریزوں نے ناصر جنگ کی مدد کی۔ عرصہ تک دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوتی رہی آخر ناصر جنگ کے انتقال کے بعد مظفر جنگ تخت نشین ہوئے۔ مظفر جنگ نے چونکہ سارا عمل و دخل فرانسیسیوں کا کر دیا تھا اس لئے پٹھان سرداروں اور امیروں نے مل کر انہیں شہید کر دیا۔" انا للہ و انا الیہ راجعون"

(۵)

جنّت آرامگاہ میر سیّد محمد امیر الممالک صلابت جنگ

بھائی کی شہادت کے بعد میر سیّد محمد جانشین ہوئے۔ انھیں دنوں بالاجی راؤ پیشوا سرکشی پر آمادہ ہوا۔ نواب صلابت جنگ ۱۱ ذالحجہ ۱۱۶۵ھ کو بالاجی راؤ کی تنبیہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ پچاس ہزار قومی سپاہی لیکر، بالاجی راؤ پونا کی طرف سے میدان جنگ میں آیا۔ ۱۲ محرم ۱۱۶۵ھ کو جنگ شروع ہوئی۔ امیر الممالک نے بالاجی راؤ کو اس جنگ میں شکست فاش دی ۱۱۷۱ھ میں مرہٹوں نے دوبارہ پوری قوت و شد کے ساتھ یورش کی اور ممالک محروسہ کے بہت سے حصہ پر قابض ہو گئے۔ خاندان آصف جاہ کو دکن سے بالکل بیدخل کرنیکا ارادہ کر لیا اس نامبارک حصول مقصد کے لئے مرہٹوں نے ۱۱۷۳ھ میں زبردست فوجیں فراہم کیں لیکن اس موقعہ پر سلطان عالمگیرؒ کی دعا کا اثر ہوا اور ممالک آصفیہ مرہٹوں کے شر و فساد سے محفوظ و مامون ہو گئی۔ کیونکہ عین اس وقت جبکہ مرہٹے سلطنت آصفیہ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اپنی کافی فوجیں فراہم کر چکے تھے پیک اجل نے انھیں شمالی ہند کیطرف ڈھکیل دیا۔ ۷ جمادی الآخر ۱۱۷۴ھ کو پانی پت کے میدان میں انھوں نے ایسی شکست عظیم اٹھائی کہ ہمیشہ کے لئے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور ہمتیں پست ہو گئیں۔ اسی جنگ عظیم میں ان کا سپہ سالار اعظم بھاؤ مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر نجیب آباد کے قلعہ پتھر گڑھ میں پہونچا دیا گیا۔ جہاں کئی سال تک باغیوں اور سرکشوں کی عبرت کے لئے لٹکتا رہا تھا۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۷۴ھ کو بالاجی راؤ پیشوا بھی پانی پت کی شکست کے غم میں مر گیا۔ اس کے بعد سلطنت آصفیہ کو اپنی حالت درست کرنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آگیا۔ ۱۱۷۵ھ میں مادھوراؤ بالاجی پیشوا کے بیٹے سے ایک خونریز جنگ پھر ہوئی۔ امیر الممالک کے بھائی نواب آصفجاہ ثانی نے بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں مادھوراؤ کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ بالآخر ناچار ہو کر انھوں نے صلح کی درخواست پیش کی اور ۱۶ جمادی الآخر ۱۱۷۵ھ کو کئی صوبے و رقم کثیر نواب آصف جاہ کی خدمت میں نذر کر کے صلح کر لی۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۱۷۵ھ کو امیر الممالک نے بقضائے الٰہی رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

(۶)

مغفرت مآب نظام الملک نظام الدولہ میر نظام علیخاں آصف جاہ ثانی

اپنے بھائی غفراں مآب جناب امیر الممالک کے بعد میر نظام علیخاں آصف جاہ ثانی مسند حکومت پر رونق افروز ہوئے۔ بمعیت سلطان حیدر علی ۱۱۷۹ھ میں انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حیدر علیخاں بہادر نے رکن الدولہ کی معرفت آصف جاہ ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر آستانبوسی کی درخواست کی۔ نظام الملک نے حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی حیدر علیخاں حاضر ہوئے تو گراں بہا خلعت اور شمشیر مرصع وغیرہ عطا فرما کر سرفراز فرمایا سلطان حیدر علی خاں بہادر نے بھی اپنی قیام گاہ پر نظام الملک کو دعوت دی اور خوان ہائے جواہر و تین توپیں جو انگریزوں سے مال غنیمت میں ملی تھیں نیز بڑی تعداد میں روپیہ و اشرفیاں بطور نذر پیش کش کیں۔ یہ رنگ دیکھکر تاجدار دکن سے انگریزوں نے مصالحت کرنا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ گورنر انگریزی نے سراج الدولہ اور اپنے وکلا کی معرفت بیش بہا تحائف بھیجکر درخواست صلح کی۔ اس طرح انگریزوں کے ساتھ ایک پہلا عہد نامۂ مصالحت مرتب کیا گیا۔ اس کے بعد کئی اور معاہدے

بھی ہوئے اور آخر کار انگریزوں اور نظام عالی مقام میں ایسے گہرے اور مستحکم دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے کہ گورنمنٹ ہند کے سب .... سسٹم کو سب سے پہلے نواب نظام علیخاں بہادر ہی نے منظور کر کے گورنمنٹ کی تجویز کو عملی جامہ پہنایا اور سنہ ۱۸۰۰ء کا عہدنامہ جس نے پہلے تمام معاہدوں پر خط نسخ کھینچ دیا تھا اسکی رو سے نظام دکن بھی انگریزی ملکداری کی پالیسی کے حلقہ میں آ گئے۔ ۱۲ جمادی الاول سنہ ۱۸۵ھ کو امساک باراں کیوجہ سے نماز استسقار کیلئے مطابق شریعت عیدگاہ تشریف لیگئے۔ نہایت عجز و الحاح کے ساتھ جناب باری میں دعا کی۔ دعا مستجاب ہوئی اور اسقدر بارش ہوئی، کہ رود موسیٰ میں طغیانی آگئی جس سے شہر حیدرآباد کو سخت نقصان پہونچا اسی سال کارکنوں کی غفلت سے چارمحل کے بارودخانہ میں آگ لگ گئی عالیشان محل آناً فاناً میں نیست و نابود ہو گیا۔ سنہ ۱۲۱۸ھ میں آصفجاہ ثانی نے دنیا ناپائدار سے عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۷)

غفران مآب نواب سکندر جاہ آصفجاہ ثالث

نواب سکندر جاہ آصفجاہ ثالث نظام الملک آصفجاہ ثانی کے صاحبزادہ سنہ ۱۲۱۸ھ میں تخت نشین ہوئے۔ ستائیس سال نہایت کامیابی اور خوش اسلوبی کیساتھ سلطنت کی۔ انھوں نے بھی اپنے زمانۂ حکومت میں گورنمنٹ انگریزی کی امداد و اعانت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا مہاراجہ ہلکر نے ان سے امداد طلب کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن نواب سکندر جاہ نے انگریزوں سے وفاداری ظاہر کی اور بدستور قائم رکھی۔ مہاراجہ ہلکر کو صاف جواب لکھکر بھیجدیا۔ سنہ ۱۲۴۴ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۸)

خلد مکان نواب فرخندہ علیخان بہادر آصفجاہ رابع

سکندر جاہ کے انتقال ہونے پر آنکے صاحبزادہ نواب فرخندہ علیخاں بہادر تخت نشین ہوئے۔ سنہ ۱۲۷ھ میں سر سالار جنگ بہادر مدارالمہام سلطنت مقرر ہوئے۔ نواب میر فرخندہ علیخاں ہر دلعزیز، صلح کل نیک نہاد اور پیرو شریعت حکمراں تھے۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں انگریزوں سے نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی تکمیل ہوئی۔ جو اخراجات اس امدادی فوج پر ہوتے رہے اور اُن پر سود چڑھتا رہا انکی ادائیگی کے لئے پچاس لاکھ سالانہ کی آمدنی کا علاقہ انگریزوں کے حوالہ کیا گیا۔ یہ برار مین گھاٹ اور اسکے سرحدی اضلاع شولاپور رائچور دوآبہ تھے۔ فوج بھی کچھ زیادہ کیگئی۔ ۱۶ رمئی سنہ ۱۸۵۷ء کو ۴۶ برس کی عمر میں نواب ممدوح نے اپنے ولیعہد کو یہ وصیت فرما کر انتقال فرمایا کہ "انگریز میرے دوست ہیں انکے ساتھ ہمیشہ وفادار رہنا۔" انا للہ وانا الیہ راجعون

(۹)

جنت مکان نواب تہنیت علیخان بہادر افضل الدولہ آصف جاہ خامس

نواب فرخندہ علیخاں بہادر آصف جاہ رابع کے بعد انکی جگہ انکے صاحبزادہ نواب افضل الدولہ تہنیت علیخاں بہادر آصفجاہ خامس سریر آرائے حکومت دکن ہوئے۔ افضل الدولہ جب تخت حکومت پر رونق افروز ہوئے تو اسوقت دہلی میں سنہ ۱۸۵۷ء کا غدر رونما ہو رہا تھا۔ حیدرآباد میں بھی باغیوں نے کوشش کی کہ نظام کی فوج انگریزوں کے خلاف لڑے لیکن سر سالار جنگ نے باغیوں کی سرکوبی کر کے انگریزوں کی بڑی مدد کی اور انگریزی سلطنت کو بچا لیا۔ حکومت انگریزی کیلئے یہ وقت اسقدر نازک تھا کہ ارکین سلطنت کے دل کانپ گئے۔ چنانچہ حالات کی نزاکت سے مجبور و متاثر ہو کر گورنر بمبئی نے ریذیڈنٹ حیدرآباد کو لکھا کہ "اگر نظام اسوقت باغیوں کے ساتھ ہو جائیں تو پھر ہمارے پاس کچھ نہیں رہتا پھر خدا ہی حافظ ہے۔" مگر ایک سچے مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ مراسم دوستی کو کسی دنیوی لالچ کیلئے بھول جائے اور عہود و مواثیق کو ٹھکرا دے۔

افضل الدولہ بہادر نے اس آڑے وقت میں وہ بیش بہا مدد دی کہ جسکی نظیر دنیا میں ملنی محال ہے۔ تاریخ حکومت انگلیشیہ کے اوراق دولت آصفیہ کی اس امداد کے زبان حال سے معترف ہیں۔ چنانچہ خدمات غدر کے اعتراف شکریہ میں گورنمنٹ انگریزی نے دس ہزار پونڈ کے تحائف افضل الدولہ بہادر کی خدمت میں پیش کئے اور اسی سال جی سی ایس آئی کا معزز خطاب عطا کرنیکے علاوہ پچاس لاکھ روپیہ کا قرضہ معاف کیا گیا۔

شولاپور رائچور دوآبہ نظام کو واپس کیا گیا۔ نظام نے بھی اسکے بدلہ میں دریائے گوداوری کے کنارے کی ایک زمین انگریزوں کو دیدی۔ نیز انگریزی اسباب پر پانچ فیصدی محصول بھی معاف کر دیا۔ ۲۶ فروری ۱۸۶۹ء کو صرف ۲۱ سال حکومت فرما کر دنیائے بے ثبات سے کوچ آخرت فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۱۰)

خلد آشیاں مغفرت مآب نواب میر محبوب علیخان بہادر آصف جاہ سادس

نواب تہنیت علیخاں بہادر کے بعد آپکے پیارے بیٹے اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر صرف ڈہائی سال اور کچھ دن کی عمر میں اورنگ نشین حکومت ہوئے۔ آپکے ایام نابالغی میں سر سالار جنگ نظام حکومت کرتے رہے۔ سر سالار جنگ نے برار کے صوبہ کی واپسی کی بڑی کوشش کی۔ یہانتک کہ ولایت میں جاکر بھی جد وجہد کی جسکی وجہ سے وہ بعض انگریزوں کی نظروں میں جو حاکم تھے مشکوک نظر آنے لگے۔ لیکن لارڈ رپن نے انکی تسلی کی اور وعدہ کیا کہ جب حضور نظام بالغ ہونگے تو صوبہ برار واپس کر دیا جائیگا لیکن اس وعدہ کے پورا کئے جانیکا مطالبہ کرنیسے پہلے ہی ۱۸۸۳ء میں سر سالار جنگ نے بعارضۂ ہیضہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میر محبوب علیخاں غفرلہ نے بالغ ہوتے ہی بڑے داد و دہش سے حکمرانی شروع کی۔ آپکا شاندار عہد حکومت نہ صرف تاریخ دکن بلکہ تاریخ ہند میں ہمیشہ ممتاز رہیگا۔ آپ رعایائے دکن سے پدرانہ شفقت فرماتے تھے۔ انتظام ملکداری نہایت فرزانگی و ہوشمندی کیساتھ انجام دیتے۔ گورنمنٹ ہند سے آپکو دلی محبت و مودت رہی۔ خیرخواہی و وفاداری کو دل سے فرض انجام دینا آپکا شیوہ رہا۔ چنانچہ وفاداری گورنمنٹ کمتعلق آپکا یہ شعر مشہور عام ہے۔

تم خیرخواہ دولت برطانیہ رہو ... سمجھیں جناب قیصر ہند اپنا جاں نثار

۱۸۸۵ء میں عطاء اختیارات کاملہ کے ایک سال بعد آپ نے مہم مصر کے لئے گورنمنٹ کا ہاتھ بٹانا چاہا یعنی جنگ مصر میں خود شریک ہونیکی خواہش ظاہر فرمائی۔ برہما و افغانستان میں فوجوں سے بڑی امداد کی جنہوں نے میدان جنگ میں کارہائے نمایاں کئے۔ ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے جشن جوبلی کی تقریب پر حضور ممدوح الشان نے سرحد کی مشکلات کو پیش نظر رکھکر ارشاد فرمایا تھا کہ "حالت امن میں تو تین سال تک بیس لاکھ روپیہ سالانہ پیش کرتا ہوں اور حالت جنگ میں آپ میری تلوار پر بھروسہ رکھیں"۔

امپیریل سروس افواج کے اصل مجوز و محرک ہونے کا بھی شرف و افتخار آپ ہی کو حاصل ہے۔ شمالی مغربی سرحد کے استحکام میں جبکہ روسی حملوں کا سخت اندیشہ تھا تو اعلیحضرت میر محبوب علیخاں بہادر نے سرکار انگریزی کو امداداً ساٹھ لاکھ روپیہ کی گرانقدر رقم دی۔ ۱۹۰۷ء کے غدر و بغاوت میں بھی اعلیحضرت نے ہمدردی اور امداد کا نمایاں ثبوت پیش کیا۔ غرضیکہ ہر موقع پر گورنمنٹ انگلیشیہ کی خوشی میں خوشی اور رنج میں رنج کرکے اپنے کو ایک ایسا پکا اور سچا دوست ثابت کیا کہ گورنمنٹ انگریزی کی تاریخ میں ان کا نام نامی ہمیشہ تاباں و درخشاں رہیگا۔ آپ کی قومی فیاضیاں اور علمی سرپرستیاں بھی اظہر من الشمس ہیں۔ امراء و وزراء سے بے تکلف مراسم رکھتے اور رعایا کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی ہمدردی فرماتے۔ کھڑے کھڑے ہوکر گھنٹوں بے تکلف کام کرتے۔ آپ کو سانپ کا زہر اتارنیکا عمل معلوم تھا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں بندگان خدا کی جان بچی۔

جس وقت لارڈ کرزن حیدرآباد تشریف لائے آپ نے برار کی واپسی پر لارڈ صاحب کو توجہ دلائی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فوجی کارروائیوں کی دھمکی دی۔ چونکہ آپ بیحد صلح پسند اور بامروت حکمراں تھے اس لئے لارڈ صاحب کے اصرار پر ننانوے سال کیلئے برار پٹہ پر انگریزوں کو دیدیا لیکن اس کارروائی سے حضور کو سخت رنج ہوا مگر آپ مجبور تھے۔ عرصہ تک اس غم میں کچھ کھایا پیا نہیں۔

اس کے بعد آپ کو جی۔ سی۔ بی کا خطاب ملا جو آپ سے پہلے کسی ہندوستانی والیٔ ریاست کو نہیں ملا تھا۔ بعض اخبار نویسوں نے اس مذاق کے طور پر یہ مراد لی کہ (گو۔ کرزن۔ برار) ملک و قوم ہند؛ حکومت میں آپ کی ہر دلعزیزی کو دیکھتے ہوئے توقع تھی کہ دربار تاجپوشی ۱۹۱۱ء کے موقع پر آپ ہز مجسٹی کے معزز خطاب سے ممتاز فرمائے جائیں گے۔ مگر افسوس کہ آپ دربار سے پہلے ہی قبل از وقت ۴۵ سال کی عمر میں دفعتاً بعارضۂ فالج ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شانِ ہمایونی لامع النور ظلِ سبحانی سکندر صولت فریدوں شوکت یار وفادار سلطنت برطانیہ لفٹنٹ جنرل ہز اگزالٹڈ ہائی نس سلطان العلوم حضور پرنور اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک مظفر الممالک آصفجاہ سابع جی سی، ایس، آئی، جی، سی، بی، ای فرمانروائے سلطنت حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ

تیرگی گزشتہ کا فروغ چہ جائے عجب است
کہ ضیا بخش جہاں مہر درخشاں اختر است

حضور پرنور اعلیٰحضرت کی ولادت باسعادت ۵ جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ مطابق ۶ اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوئی۔ تمامی ممالک محروسہ میں خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ طول وعرض دکن میں گھر گھر خوشیاں منائی گئیں۔ خوب خوب جی کھول کر شادمانی ومسرت کا مظاہرہ کیا گیا۔ پانچ سال کی عمر میں بسم اللہ ہوئی مذہبی تعلیم پر مولانا انوار اللہ خانصاحب بانی مدرسہ نظامیہ حیدرآباد مامور ہوئے اور فارسی کی تعلیم پر نواب عماد الملک بہادر وآغا علی شوستری انگریزی تعلیم پر مسٹر ایجرٹن مقرر ہوئے۔ اعلیٰحضرت نے اپنی ذہانت وذکاوت وذہانت کے باعث عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ ہندی۔ جرمنی۔ فرانسیسی مرہٹی وتلنگی زبانوں میں جلد ہی مہارت تامہ حاصل فرمائی۔ اسی زمانہ میں انجینرنگ۔ نقشہ کشی۔ تصویر کشی وفنون سپہ گری میں بھی قابل رشک ملکہ پیدا کیا۔ شہسواری۔ نشانہ بازی۔ شمشیر زنی وغیرہ کی تعلیم کرنل افسر الملک بہادر کمانڈر انچیف عساکر عثمانیہ نے دی۔

حضور غفران مآب میر محبوب علی خاں بہادر التزاماً امور سلطنت انصرام دیتے وقت اعلیٰحضرت کو ہمراہ رکھتے کہ انتظام سلطنت کا ملکہ پیدا ہو۔ بزمانہ ولیعہدی اپنے ممالک محروسہ میں دورہ کرنے کا اتفاق ہوا جس سے بہت کچھ تجربے حاصل ہوگئے۔ آپ کا عقد نواب جہانگیر جنگ کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ جن سے کئی بچے پیدا ہوئے ہیں۔ احکام شریعت کے مطابق حضور نے حرم کی اصلاح فرماکر شریعت اسلام واحکام خداوندی کے بموجب صرف چار نکاح کرکے چار بیبیوں پر اکتفا فرمایا۔

تاجپوشی

۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو اعلیٰحضرت سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی حکومت میں بہت سے ایسے اہم تغیرات فرمائے اور ایسی معقول اصلاحات کا اجرا فرمایا کہ ایک عالم ان پر تحسین وآفرین کر رہا ہے۔ ۲ ستمبر ۱۹۱۱ء کو ایک بڑا دربار منعقد فرمایا۔ سرکار عالی کی جانب سے ریزیڈنٹ نے آپ کی ذات ہمایوں سے بڑی بڑی توقعات کی وابستگی کا اظہار کیا اور چند نصائح بھی کیں جنکا حضور نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جواب باصواب دیا۔

سادگی لباس وشاہی خاصہ

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ نہایت ہی سادہ اور کم قیمت لباس

زیب تن فرماتے ہیں۔ ایک موقع پر ایک درباری نے عرض کیا کہ حضور بیش قیمت لباس فاخرہ بھی شاہوں کے شایانِ شان زیب دیتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ شہنشاہ عرب و عجم مجھ سے بہتر و برتر تھے۔ میرے آقا و مولیٰ ہونے کے باوصف سادہ لباس پہنا کرتے تھے۔ سنت نہال سنگھ لکھتے ہیں کہ شہریار دکن کی زندگی کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ ایک کروڑ بیس لاکھ باشندوں کے فرماں روا ہونے کے باوصف سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں۔

شہریار دکن کی زندگی عام زندگی کی طرح نہایت سادہ اور ہر قسم کے تکلفات سے مبرا ہے۔ حضور اپنے واسطے تجمل اور احتشام پسند نہیں فرماتے۔ حضور اعلیٰحضرت کا کھانا اس قدر معمولی ہوتا ہے کہ جس کو ادنیٰ درجہ کا سرمایہ دار بھی اپنے لئے پسند نہیں کر سکتا۔ مختصر یہ کہ حضور جہاں پناہ ذاتِ ہمایوں کے لئے بہت ہی کم مصارف کو پسند فرماتے ہیں۔

→※←

مساواتِ اسلامی

تاجدار دکن مسجد کے اندر غربا اور مساکین شکستہ حال مسلمانوں کے دوش بدوش نماز ادا فرماتے ہیں۔ باغ عامہ کی مسجد میں بلا امتیاز جہاں جگہ مل جاتی ہے وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ اسلامی مجالس و محافل میں شہر کے غریب مسلمانوں کے خام اور بوسیدہ مکانوں کو قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشتے ہیں۔ بابا شرف الدین رحمۃ اللہ کی پہاڑی و دیگر اہل اللہ کے مزارات پر مسلمانوں کے ہمراہ پیادہ پا تشریف لیجاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اعلیٰحضرت جلسۂ وعظ میں تشریف لائے تو ایک ملازم خاص نے جو پہلے سے وہاں بیٹھا ہوا تھا حضور کو دیکھکر درباری پیٹی کمر سے باندھ لی۔ حضور نے اسکا یہ عمل ملاحظہ فرماکر دریافت کیا کہ یہ کیا۔ اس نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور تشریف فرما ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا یہ میرا دربار ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا دربار ہے۔ حضور اس پر بہت ناراض ہوئے اور اسیوقت اس کی پیٹی کمر سے کھلوا دی۔ ایک مرتبہ جلسۂ وعظ میں اعلیٰحضرت تشریف لائے اور واعظ صاحب جو وعظ فرما رہے تھے انہوں نے سلام کیا۔ اعلیٰحضرت نے فوراً ارشاد فرمایا کہ، مولوی صاحب افسوس کہ آپ وعظ فرماتے ہوئے سلام کر رہے ہیں۔ میں داخل مجلس ہوا ہوں سلام مجھ پر واجب تھا نہ کہ آپ پر۔ آپ اس وقت ممبر رسول اللہ پر تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کو مجھ جیسے دنیادار کی تعظیم ضروری نہ تھی۔ اس جلسہ میں اور جس قدر مسلمان آ رہے ہیں کیا آپ سب کو سلام کر رہے ہیں یا میں ہی ایک مسلمان آیا ہوں۔ اس نصیحت کا اثر سینکڑوں وعظ اور پند سے زیادہ ہوا۔ سبحان اللہ یہ وہ خصائل ہیں کہ زمانہ حاضرہ میں جنکی نظیر ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

قرآن پاک سے عقیدت

مولانا شوکت علی صاحب ایکمرتبہ عید کے موقع پر حیدرآباد میں تھے۔ اعلیٰحضرت بھی عیدگاہ میں تشریف لائے۔ مولانا شوکت علی فرماتے ہیں کہ موجودہ شاہ دکن نے سخت احکام جاری کر دئے ہیں کہ جب وہ مسجد یا عیدگاہ میں آئیں تو کوئی ان کی تعظیم کو کھڑا نہ ہو اور شاہی آداب کو بجا نہ لائے۔ وہ مسجد میں معمولی مسلمان کی طرح آتے ہیں۔ نماز جمعہ کے بعد اعلیٰحضرت خوش آواز عرب سے قرآن شریف کا ایک رکوع سنتے ہیں۔ چنانچہ عید کی نماز کے موقع پر بھی نماز ہوئی۔ خطبہ ہوا اس کے بعد لوگ مل کر رخصت ہونے لگے مگر اعلیٰحضرت بیٹھے رہے اور قاری ابراہیم صاحب حجازی کی زبان سے کلام پاک کا ایک رکوع سنا۔ جن لوگوں کو کبھی ایسی قرأت کی مجلسوں میں شرکت کا موقع ملا ہے جس میں اعلیٰحضرت بھی شریک ہوئے ہوں تو انکی آنکھوں نے یہ مبارک منظر دیکھا ہوگا کہ یہ فقیر دل بادشاہ اور قرون اولیٰ کی یاد دلانیوالی ہستی کلام ربانی کی تلاوت کے وقت کن خاص حالات اور نورانی اثرات سے متاثر پائی جاتی ہے۔ کیفِ خدا اور کلام خدا اعلیٰحضرت کو کیسا مکیف بنا دیتا ہے۔ اسوقت چہرے کی رنگت کا اتار چڑھاؤ اور عالم وجد میں سبحان اللہ! سبحان اللہ! فرمانا اور زانو پر ہاتھ دے دے مارنا، ایسا سماں ہوتا ہے کہ جو مومن کے قلب پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

دینی خیالات اور مراعات

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ ایک دیندار و متشرع سچے مسلمان ہیں تخت سلطنت پر جلوہ فگن ہوتے ہی حضور نے سب سے پہلے حرم کی، اصلاح فرماکر صرف چار نکاح کئے۔ فریضۂ نماز جمعہ کی تجدید کی۔ جمعہ کی،

نماز باجماعت عام نمازیوں کے ساتھ مکہ مسجد میں ادا کرنے کی رسم کو زندہ کیا ریاست کے امور مذہبی کے انجام دینے کے لئے "معین المہامی امور مذہبی" مقرر فرمائی۔ دین الفطرۃ کے بہترین عالموں و عاملوں کی تلاش کر کے اس عہدہ پر تعینانی فرمائی۔ کافۃ المسلمین کی اصلاح و فلاح کے لئے واعظ، مقرر کئے۔ دینی مدرسے کھولے۔ مذہبی انجمنوں کو دریا دلی سے امداد دی۔ رشد و ہدایات کے چشمے چاروں طرف بہا دیئے۔ دارالعلوم دیوبند کی قدیم امداد میں اضافہ فرمایا۔ عظیم القدر دینی مدرسہ اجمیر شریف میں قائم فرمایا۔ الہ آباد۔ بدایوں۔ کولاپور کے دینی مدارس کیطرف ہمدردی و اعانت کا ہاتھ بڑھایا۔ انگلستان میں تبلیغ اسلام کی غرض سے باوجود اختلاف عقائد خواجہ کمال الدین کو خزانۂ عامرہ سے معقول امداد دی۔ درگاہ حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی کی مرمت میں حصہ لیا۔ نادار حجاج فنڈ بمبئی کی امداد فرمائی۔ جامع مسجد الہ آباد کی تکمیل کی صورت پیدا کی۔ اسلامی تعلیمی کانفرنس حضور کی آبیاری کی رہین منت۔ انجمن ترقی اردو آپ کی معارف پژوہی کی مرہون احسان مدارس عثمانیہ کالج وغیرہ آپ کی فیاض طبع کے معترف۔ دہرہ دون، کالج آپ کا مداح۔ مدرسۃ المسلمین علی گڑھ زیر بار احسان۔ مدرسہ اسلامیہ سکندر آباد شکرگزار۔ دار الاقامت اسلامی برار مرہون کرم۔ اسلامی ہائی سکول اٹاوہ مدحت سرا۔ مسلم لیبوریٹری انبالہ۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ، حالی مسلم ہائی سکول پانی پت۔ انجمن اسلامیہ بمبئی۔ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ لیڈی ہارڈنگ کالج۔ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ انجمن اسلامیہ مدراس۔ انجمن ترقی تعلیم امرتسر۔ غرضیکہ براعظم ہند کی بیشتر ملکی و قومی تحریکیں، حضور نظام کے بذل و سخا سے شرف اندوز ہو رہی ہیں۔

اعلیٰحضرت نے تعلیم نسواں کے لئے ۲۷ ہزار سالانہ کا عطیۂ گرانقدر منظور فرمایا۔ آپ کا جذبۂ ہمدردی کسی کی مصیبت کو نہیں دیکھ سکتا۔ زلزلہ کہیں باشندوں کو بے خانماں کر دے۔ طغیانی آباد گھروں کو ویران کر دے۔ قحط و خشک سالی قوت لایموت سے محروم کر دے تو سب سے پہلے حضور ہی ان کی دستگیری پر آمادہ ہوتے ہیں۔ مصیبت زدگان بہار کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی رقم مرحمت فرمائی مختصر یہ کہ حضور اعلیٰحضرت پاکباز دستودہ صفات۔ عادل۔ مہذب۔ ہمدرد سخی۔ غنی۔ شریعت پسند۔ رحمدل بادشاہ ہیں۔ آپ کی توجہ سے دینیات مذہبی۔ قومی علوم کی اشاعت روز افزوں ترقی پر ہے۔ دکن کے ہزاروں وظائف۔ منصب دہندوں کے علاوہ ہندوستان۔ مصر۔ فارس ٹرکی قسطنطنیہ۔ بیت المقدس۔ مکہ معظمہ۔ بغداد وغیرہ میں بھی علمی و مذہبی، وظیفہ خوار موجود ہیں۔ زندہ باد نظام دکن۔ آمین

بینظیر بے تعصبی کی شہادتیں اور چند مثالیں

ایک سکھ کی آواز

تاجدار دکن نے سکھوں سے جو سلوک روا رکھا ہے اس کی نظیر کسی سکھ ریاست میں بھی نہیں ملتی۔ سکھوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے خاص انتظام ہے۔ ان کی تنخواہیں مقرر ہیں۔ اگر کوئی سکھ لاولد فوت ہوتا ہے تو جہاں کہیں بھی ہو اس کا قریبی رشتہ دار تلاش کیا جاتا ہے اور متوفی سکھ کی جگہ اسے مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر وہ وارث یا رشتہ دار جو، تلاش کیا گیا ہے نابالغ ہے تو سن بلوغت تک اس کو متوفی کی نصف، تنخواہ بطور وظیفہ ملتی رہتی ہے۔ بالغ ہونے پر متوفی کی جگہ اسے مقرر کیا جاتا ہے۔ ناندیر گوردوارہ کے لئے جاگیر وقف ہے جس کا اہتمام، خود سکھوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا احترام اس قدر کیا جاتا ہے کہ، اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ گوردوارہ تک برہنہ پا تشریف لیجاتے ہیں۔ کیا ایسی نظیریں کہیں اور مل سکتی ہیں۔

ایک مسیحی مبلغ کی آواز

کون ہے جو ریاست حیدر آباد پر تنگدلی کا الزام لگا سکتا ہے کیا باشندگان برار ایسے نظام حکومت پر جو مذاہب و اقوام کے ساتھ یکساں اور انصاف کا برتاؤ کرتا ہے۔ عہدوں کے عطا کرنے میں مذہب و ملت کا امتیاز نہیں اور جہاں حقیقی معنوں میں شیر و بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں کسی اور نظام حکومت کو اس پر ترجیح دے سکتے ہیں۔

تصدیق از

ارشاداتِ شاد

(یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر بالقابہ)

اسلاف کے ہیں جانشیں، سب کے لئے ہے افتخار
علم و عمل جود و سخا عدل و کرم ہیں آشکار
کرتے ہیں محنت روز و شب یہ آصفِ جم اقتدار
خلق و مروت ہیں ہیں شاہ ہے تنگ تر از بہر روزگار
محنت سے نہ تھکتے نہیں، دن رات ہیں مشغول کار
ہر کام میں ہیں مستعد، ہر بات میں ہیں ہوشیار
وعدہ وفا کرتے ہیں خوب ملکِ دکن کے تاجدار
آئینۂ دل صاف ہے مطلق نہیں گرد و غبار
دل میں تعصب کچھ نہیں یہ ہے یقین و آشکار
سب سے برابر انسیت مومن ہو یا زنار دار
ہے یہ بھی اک نعمت عجیب ہے خاص لطفِ کردگار
عیسائی ہو موسائی ہو، سب کا برابر ہے شمار
تعریف ہے یہ خلق کی دشمن ہو ملکر دوستدار
ممنون منت ہیں سبھی باشندگان ہر دیار
بغداد و مصر و قرطبہ، کی ہے دکن میں اب بہار

اولاد کو اور آل کو ،،
دل شاد رکھ پروردگار

موسیٰ ندی کے کنارے نئے مندر تعمیر کرائے گئے ہیں۔ ویکاجی کے رشتہ داروں کے سامنے افسر جنگ بہادر نے مسجد تعمیر کرانا شروع کی، نزدیک ہی ایک چھوٹا سا دیول تھا۔ مسجد کی عمارت تیار ہو چکی تھی اوپر کے گنبد باقی تھے۔ حکومت کی طرف سے حکم امتناعی صادر ہوا۔ مسجد کی تعمیر بند کر دی گئی۔ آجکل اس عمارت میں مدرسۂ دینیات ہے۔

اعلحضرت کی بے نظیر بے تعصبی اور رواداری کی ایک ادنے مثال یہ ہے کہ حضور نے اپنی ہندو رعایا کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے حدود قلمرو میں ذبیحہ بقر ممنوع قرار دیا۔ یہ صرف مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

ایسی اکثر مثالیں موجود ہیں جو بہ نظر طوالت درج نہیں کیجاتیں۔ معاش قضاءت موضع کروڑ خورد تعلقہ سدی پیٹھ ضلع بیدر بنام رامچندر راؤ جاری کی گئی، آٹھ مواضعات تعلقہ پالم ضلع پربھنی کی معاش قضاءت باجے راؤ دیسمکھ سے متعلق ہوئی۔ سبید اپور تعلقہ بیڑ دیہہ گاہ اور ملک کی معاش ایسا جی لابنڈ مہاراج کے نام بحال کی گئی۔ قصبہ بنڈے بھی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ میں، حضرت جلال الدین شاہ قدس سرہٗ کی درگاہ کی معاش سادراپ کے نام بحال ہے۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء میں ممالک محروسہ حیدر آباد میں اہل ہنود کے منادر کی تعداد کل ۳۵۲۵ تھی جن میں ۱۱۰ نئے تعمیر شدہ بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ ۱۰۹ کی مرمت اور توسیع بھی کی گئی۔ سولہ مندروں کا براہ راست انتظام محکمۂ امور مذہبی کے ہاتھ میں تھا۔ جس طرح قلمروئے نظامیہ کی تمام مسجدوں کو مدد دی جاتی ہے اسیطرح مندروں۔ گوردواروں گرجاؤں۔ آتشکدوں کو بھی خزانۂ عامرہ سے برابر امداد ملتی رہتی ہے، وزیر اعظم اور دستور معظم بھی ایک ہندو مہاراجہ ہیں، اسی طرح دوسرے عہدوں پر بھی بلا امتیاز مذہب و ملت ہندو عہدہ دار متمکن ہیں۔ خواہ وہ، ہائی کورٹ کی ججی ہو یا صرف خاص کی معتمدی یا سول سروس کے عہدے ہوں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ نظامانِ دکن نے اپنی رعایا کے ہر فرقہ کو بہ لحاظ، امداد و اعانت شاہانہ یکساں سمجھا ہے۔ ریاست میں مسلمان جاگیردار بھی ہیں، ہندو بھی۔ غرضیکہ غیر مسلموں کی مجموعی تعداد جو دولتِ آصفیہ سے نقدی آراضی ماہانہ معاش پاتے ہیں ۱۱۰۹۰۸۱ ہے۔ حیدر آباد میں ۹۹ فیصدی ہندو پٹہ دار ہیں۔ تقریباً ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ معاف کیا جاتا ہے۔ ملازمت میں ہندوؤں کی تعداد اسی فی صدی ہے۔ تجارت زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اندازاً ایک کروڑ سالانہ کی جاگیریں ہندوؤں کو عطا کر رکھی ہیں۔

جُود و عطا بذل و سخا

اعلحضرت کی بذل و عطا کا یہ عالم ہے کہ تخت نشینی سے لیکر، اس وقت تک اہل حاجت کی طرف سے ساٹھ ہزار کے قریب معروضے پیش گاہِ خسروی میں گزارے گئے اور حضور نے زائد از پچاس ہزار وظیفے جاری فرمائے۔ علمی اور تعلیمی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد شریف وغیرہ میں جو زائد از پانچہزار وظائف جاتے ہیں وہ علیحدہ ہیں۔ اعلحضرت کی،

فیاضی و سخاوت کا یہ عالم ہے کہ اس کا تصور ایک مرتبہ پھر خلفائے عباسیہ کے جود و سخا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اہل علم و ہنر کے علاوہ ہزارہا غریب، لاچار، بیکس، لاوارث اور مجبور انسان۔ بے شمار بیوائیں اور لاتعداد یتیم آپ کی فیاضی کے صدقہ اطمینان و آرام کی، زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حضور کی امداد و اعانت لاوارث غربا تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بہت سے معزول شدہ تاجداران اسلام بھی اعلیٰحضرت کے گراں بہا عطایا کی بدولت بیکسی کے عالم میں بھی شاہانہ شان کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ سلاطین معزول ترکیہ کے لئے اعلیٰحضرت نے بڑے بڑے وظائف جاری کر دئے ہیں۔ سابق سلطان ترکی، رشاد کی بیوہ فاطمہ مہر انگیز خانم کو ۵۰۰ پونڈ عطا فرمائے اور بعد تحقیقات مستقل امداد ہوئی۔ سلطان عبدالمجید خاں کو ۵۰۰ پونڈ ماہوار مستقل عنایت فرماتے ہیں۔ مظلومین سمرنا وغیرہ کے لئے ایک لاکھ روپیہ کلدار عطا فرمائے۔ غربا پروری کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ کی رقم مخصوص کر دی گئی ہے۔ حال لیڈی اردن صاحبہ کو دو ہزار پونڈ کا چک ارسال کر کے فرمایا کہ آپ اس رقم کو اپنے حسب منشاء خیرات کر دیں۔

تازہ ترین فیاضی یہ ہے کہ ایسے نازک اور آڑے وقت میں، جبکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مالی حالت نازک ہو چلی تھی اور مسلمانان ہند کی واحد تعلیم گاہ سخت دور سے گذر رہی تھی، حضور نظام ذوی الاکرام نے دس لاکھ روپیہ یکمشت اور ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ سے اس کی امداد و اعانت فرما کر مسلمانان ہند کی لاج رکھ لی۔ زندہ باد تاجدار حیدر آباد

اس دئے کی روشنی دنیا میں تا محشر میں ہو
تا ابد قائم رہے عالم میں یارب ضو فشاں

حضور نظام کو مقامات مقدسہ کی خدمات کا خیال ہمیشہ رہتا ہے۔ تھوڑا زمانہ گزرا کہ روضۂ منورہ و مطہرہ تاجدار مدینہ کے لئے نو ۹ لاکھ روپیہ اور لندن کی مسجد نظامیہ کے لئے آٹھ ۸ لاکھ روپیہ عطا فرمایا ہے۔ جامع مسجد دہلی کے لئے ایک لاکھ روپیہ مرحمت فرمایا، ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کے شانتی نکیتن کو ایک لاکھ روپیہ حضور نے عطا فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ ساڑھے تین سو پونڈ سالانہ کا وظیفہ اور آمد و رفت کے لئے درجہ اول کا کرایہ بھی دیا جائے گا۔ کرنل ایچ گڈنی کی درخواست پر پانچ ہزار روپیہ تعلیمی امداد کے لئے منظور فرمایا۔ پندرہ لاکھ کا عطیہ دہرہ دون کے ایک پبلک اسکول کے لئے منظور فرمایا۔ لہ

محکمہ تعلیم سلطنت آصفیہ

دولت آصفیہ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز و انتظام ۱۸۵۴ء میں ہوا لیکن اس وقت حالت بہت معمولی تھی۔ ۱۸۶۸ء میں ذرا اصلاح ہوئی ۱۸۷۱ء میں ورنیکلر تعلیم کے لئے ایک ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ لیکن عام انتظامات افسران محکمہ جات مال ہی کے ہاتھ میں رہے ۱۸۷۵ء میں ہر ضلع میں ایک ایک ڈپٹی انسپکٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں چادر گھاٹ ہائی سکول کو دوسرے درجہ کا کالج بنا کر مدراس یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں اول درجہ کا کالج بن گیا۔ ذیل میں تیس سال کا سابقہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے ناظرین اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ رفتہ رفتہ تعلیم میں کیسے ترقی ہوئی۔

سال	قابل تعلیم بچے	مدارس	طلبا
۱۸۸۱ء	چودہ لاکھ	۲۰۰۰	۸۷۰۰۰
۱۸۹۱ء	۱۵½ لاکھ	۳۱۴۰	۷۴۰۰۰
۱۹۰۱ء	״	۲۶۸۷	۷۲۰۰۰
۱۹۱۱ء	۱۷½ لاکھ	۲۶۹۵	۹۵۰۰۰

اعلیٰحضرت کے عہد میمنت کے ابتدائی دس سال پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر اعتبار سے ترقی شاندار تھی مثلاً ۱۲۶۳۴ مدرسے تھے۔ ۲۵۰۰۰۰ طلبا تھے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

درجہ تعلیم	تعداد طلبہ ۱۹۱۱ء میں	در ۱۹۲۱ء میں	۱۹۲۵ء میں
کالج	۱۳۹	۴۹۴	۱۰۱۷
فوقانیہ ہائی سکول	۷۸۳	۲۲۸۰	۲۰۲۹
وسطانیہ مڈل سکول	۳۹۲۳	۹۵۹۷	
مدارس خاص	۱۵۳۹	۲۸۳۳	
تحتانیہ مڈل سکول	۵۸۷۲۰		

۱۹۲۱ء کے بعد رفتار ترقی تیز ہوتی گئی۔ نظام کالج مدراس یونیورسٹی سے بدستور سابق ملحق رہا ایک سکنڈ گریڈ زنانہ کالج بن گیا۔ جسکی طالبات کی تعداد ۳۱ تھی بقیہ کالجوں کے طلبار کی تعداد ۱۹۲۵ء میں ۱۰۷۰ تک پہونچ چکی تھی۔ ۱۹۲۱ء میں کالجوں میں تعلیم پانے کی تعداد صرف ۴۹۴ تھی۔ ۱۹۲۵ء میں معہ تعلیم نسواں کے ۱۰۳۰ ہوگئی۔ ۱۹۱۱ء میں ہائی سکول ۸-۷ تھے ۱۹۲۱ء میں ۳۱ ہوگئے اور ۱۹۲۸ء میں ۴۴ ۱۹۱۱ء میں جن مدارس میں ۴۶۷۵ بچے تعلیم پاتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں ۱۱۳۸۱ اور ۱۹۲۵ء میں ۱۵۰۲۹ جن میں ۱۳۹۷۸ لڑکے تھے اور باقی لڑکیاں۔ سلطان العلوم کے دور مبارک کا عظیم الشان کارنامہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے جو ہندوستان میں ملکی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے والی یونیورسٹی ہے۔

جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ۲۸ اگست ۱۹۱۸ء کو ہوا۔ اس نے رفتار اشاعت تعلیم کو بیحد تیز کر دیا۔ قابل و فاضل آدمیوں کی ایک جماعت اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے تراجم اور نئی کتابوں کی تالیف و ترتیب پر مامور کی گئی جو گزشتہ دس بارہ سال کی مدت میں نہایت اہم اور سب سے زیادہ رائج علمی زبان کا نصاب درسی اعلیٰ درجہ کے علمی جواہر سے مالا مال ہو چکا ہے۔ حیدرآباد کی سرزمین میں بے شمار نادر قلمی ذخیرے ہیں جو مدت سے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ دولت آصفیہ نے دائرۃ المعارف قائم کر کے ایسا بندوبست کر دیا کہ اعلیٰ درجہ کی نادر اور قلمی کتابیں طبع ہوتی رہیں۔ چنانچہ حدیث اور اسمار الرّجال کی کتابیں جو نہایت اہم تھیں حیدرآباد میں طبع ہو کر ہندوستان میں جا بجا پہونچ چکی ہیں اور مطبوعات آیندہ کا سلسلہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے حکم جاری ہو گیا ہے کہ جن جن کم استطاعت لوگوں نے اپنے قدیم علمی کتب اور قطعات کو مارواڑیان وغیرہ کے پاس رہن رکھ دیا ہے وہ بذریعہ کوتوال فک الرہن کرا کے حضور میں پیش کئے جائیں از روئے بہی کھاتہ زر رہن منجانب سرکار ادا کر دیا جائیگا۔

حضور نظام نے گورنمنٹ مصر کو لکھا کہ کتب خانہ خدیو یہ سے بیش بہا قلمی کتب جن کے اس وقت اور کوئی نسخے دنیا میں موجود نہوں تمام فوٹو لیکر حیدرآباد بھیجے جائیں۔ حکم فرمایا ہے کہ آیندہ سے اگر کوئی مسلمان قرآن شریف یا اور کوئی متبرک کتاب خواہ قلمی ہو یا مطبوعہ، غیر مذہب والوں کے پاس منقول کریگا یا ان کے ہاتھ فروخت کریگا تو دریافت و ثبوت پر بائع و مشتری یا راہن و مرتہن کے لئے حسب موقع مناسب سزا تجویز کی جائے گی تاکہ آیندہ دوسروں کو عبرت ہو کس لئے کہ ہمارے مذہب میں اس قسم کی کتب کی عظمت و احترام لازمی ہے اور ان کو بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ضروریات سے ہے۔ اگر کسیکو ان چیزوں کی فروخت کی ضرورت ہو تو وہ ان کتب کو براہ راست سرکار میں داخل کر کے واجبی قیمت حاصل کر سکتا ہے۔

حیدرآباد میں مسلمانوں کی آبادی ۱۰ فیصدی ہے۔ جن میں مجموعی اوسط خواندگی ۹ فیصدی ہے۔ یعنی ذکور خواندہ ۱۴ فیصدی تھے اناث ۳½ فیصدی۔ دور عثمانی میں سب سے زیادہ جس چیز نے ترقی کی ہے وہ تعلیم ہے۔ گذشتہ دس سال کی تعلیم کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ پہلے ریاست میں صرف دو کالج تھے اب سات کالج ہیں۔ مدرسۂ فوقانیہ پہلے ۲۲ تھے اب ۴۳ ہیں۔ مدرسۂ وسطانیہ ۸۷ تھے اب ۱۰۸ ہیں۔ مدارس تحتانیہ ۱۱۲۳ تھے اب ۲۹۷۹ ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ پہلے تمام قسم کے مدارس کی تعداد ۱۲۵۴ تھی اب ۴۱۸۶ ہے۔ دس سال پہلے تمام مدارس کے طلبار کی تعداد کل ۹۳۲۸۹ تھی، اب ۲۷۱۸۹۳ ہے۔ پہلے سررشتۂ تعلیم پر ۱۶ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ تھا ایک کروڑ سے بھی متجاوز ہے۔ مملکت آصفیہ کے ہر ایک پندرہ مربع میل رقبہ میں ایک اسکول موجود ہے ایسی مثال کہیں نہیں مل سکتی کہ کوئی حکومت سوائے نظام خلد اللہ ملکہ کے اپنی آمدنی کا ⅛ حصہ تعلیم پر صرف کر دے۔

حیدرآباد و اسکے ہمسایہ علاقوں میں خواندہ نفوس

نام صوبہ	تعداد خواندہ فیصدی	
	ذکور	اناث
مدراس	۱۵	۲
بمبئی	۱۵ر۷	۲ر۷
برار	۸ر۷	۱
حیدرآباد	۵ر۷	ر۸

تعلیمات کے محکمہ کو سب سے پہلے مسٹر اے لطیفی نے درست کیا۔ اس کے بعد نواب مسعود جنگ بہادر سید راس مسعود (موجودہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ناظم تعلیمات ہوئے جنھوں نے دس سال تک بڑے اعلیٰ پیمانہ پر کام کیا اور محکمۂ تعلیم کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ حیدرآباد کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ، شبانہ روز کی محنت و جانفشانی نے محکمۂ تعلیم میں چار چاند لگاکر تمام دنیا میں چمکا دیا۔ اب خان فضل محمد خاں صاحب ناظم ہیں جو پہلے سٹی ہائی سکول، حیدرآباد کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔

اعلحضرت کی علمی فیاضی و ہنرگستری اظہر من الشمس ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے حضور نے جو ضیا پاشی فرمائی اس کے شکریہ میں جامعہ عثمانیہ کی طرف سے فخر و مسرت کے ساتھ ستمبر ۱۹۲۳ء میں اعلحضرت کی خدمت میں حسب ذیل الفاظ کے ساتھ مجمع عام میں بموجودگی وزرا و اراکین سلطنۃ آصفیہ "سلطان العلوم" کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی جسے حضور ممدوح نے مختصر مگر جامع الفاظ کے ساتھ قبول فرماکر خدام جامعہ عثمانیہ کی کمال، عزت افزائی فرمائی۔

"الحمد للہ کہ آج وہ مبارک دن ہے جو نہ صرف جامعہ عثمانیہ بلکہ تمام جامعات عالم کی تاریخ میں یادگار رہیگا کہ خود فرمانروائے سلطنت نے کہ جو اس کے بانی اور سرپرست اعلیٰ ہیں اس کی اعزازی ڈگری، حاصل فرمانے کے لئے مجلس رفقار کو عزت بخشی۔ تاریخ عالم سے واضح ہے کہ سلاطین اسلام نے ہمیشہ علم کی سرپرستی میں خاص حصہ لیا ہے۔ لیکن حضرت جہاں پناہی کو جو انہماک و دلچسپی ترویج علم سے ہے اور بندگان حضرت نے اپنی علم پروری و ہنرگستری سے حصول علم کے لئے جو مناسب اور، مفید طریقہ اس جامعہ کے قیام سے جاری فرمایا ہے اس کی مثال کہیں، نہیں ملتی اور اس کے اعلیٰ نتائج اور فوائد محتاج بیان نہیں۔ اہل ملک کے فخر و مسرت کا اس سے بڑھکر اور کیا موقعہ ہو سکتا ہے اور خود جامعہ کی اس سے زیادہ اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے سرپرست اور حامیٔ علم کے حضور عالی میں اپنی سب سے پہلی اور اعلیٰ ترین اعزازی ڈگری پیش کرے۔ لہذا بکمال منت و حسن عقیدت "جامعہ عثمانیہ" کیجانب سے اسکے اراکین مجلس رفقار "سلطان العلوم" کی اعزازی ڈگری بارگاہ ملازمان خسروی جہاں پناہی میں، پیش کرنیکی عزت حاصل کرتے ہیں۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"

مولانا محمد عبداللہ صاحب منہاس نے نظام خلد اللہ ملکہ کی بینظیر، شاہانہ فیاضیوں علمی سرپرستیوں بالخصوص عثمانیہ یونیورسٹی کے اجرار کے بعد تحریک پیش کی کہ قوم کی طرف سے اعلحضرت کی عدیم المثال علمی خدمات کے صلہ میں "محی الملت والدین" کا خطاب پیش کیا جائے۔ قوم کی طرف سے لبیک لبیک کی گونج پیدا ہوگئی۔ چنانچہ مختلف جماعتوں اور انجمنوں کی پرزور و متفقہ تائید کے بعد قوم کی نمایندہ جماعت ندوۃ العلمار کے عظیم الشان جلسۂ منعقدہ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۸ء کی متفقہ آواز سے آپ کی تحریک کامیابی کے ساتھ پاس ہوئی اور تجویز ہوا کہ اعلحضرت کی خدمت میں یہ معزز اور قومی خطاب بذریعہ خاص وفد پیش کیا جائے چنانچہ اس پیشکش کو حضور نظام نے از راہ قدردانی قبول و منظور فرماکر مسلمانان ہند کو تشکر و امتنان کا موقع دیا۔

دورِ عثمانی کی ترقیاں و اصلاحات

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی سلطنت ترقی کی کس منزل پر ہے اس کا اندازہ ان امور سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو اعلحضرت نے جاری فرمائے مثلاً ذیل کے سررشتوں کی اصلاح کی۔ مال۔ عدالت امور مذہبی۔ ترقی عامہ۔ آبپاشی۔ کورٹ آف وارڈس۔ میونسپلٹی۔ صنعت و حرفت۔ تعلیمات ڈاکخانہ۔ حفظان صحت۔ طبابت۔ حضور نظام نے اپنے زمانۂ حکومت میں اس وقت تک جو جدید سررشتہ قائم فرمائے ہیں وہ یہ ہیں۔ زراعت آرائش بلدہ۔ ڈرینج۔ ترقیات عامہ۔ جامعہ عثمانیہ۔ امداد باہمی۔ آثار قدیمہ علاج حیوانات۔

دنیا میں کون ایسا شخص ہوگا جو بلا شرکت غیرے حکومت کا متمنی نہ ہو کون چاہتا ہے کہ اپنے وسیع اور غیر محدود اختیارات کو بخوشی دوسروں کے سپرد کر دے۔ لیکن اعلحضرت کی بیدار مغزی اور بے نظیر ایثار نفسی ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے کامل غور و خوض کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا کہ نظام حکومت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جبتک کہ شخصی سلطنت کو جمہوریت میں نہ مبدل کر دیا جائے۔ خود ہی نہایت مسرت کے ساتھ ایک ایگزیکٹو کونسل قائم کر دی اور امور سلطنت کو اس کے سپرد کر دیا۔ جہاں قدیم آئین حکومت کی از سر نو تشکیل کی گئی۔ اس موقعہ پر حضور نے ایک نہایت بصیرت افروز

تقریر فرمائی جسکو یہاں بلحاظ طوالت مضمون نظرانداز کیا جاتا ہے اور بشرط گنجائش آگے درج کیا جائیگا۔ آداب شاہی کے ادا کرنے میں جو رسومات جاری تھیں ان میں بھی نہایت مفید اور کارآمد اصلاحات کیں۔ حکومت مغلیہ کے دستور کے مطابق لوگ بادشاہ کو اس طرح سلام کرتے تھے جس پر رکوع اور سجدہ کا گمان ہونے لگتا تھا، اس عالی دماغ بادشاہ نے اس رسم کو سختی کے ساتھ بند کر دیا۔ عام حکم دیدیا کہ ہر شخص مجھے بھی اسی طرح سلام کرے جس طرح وہ اپنے دوسرے اسلامی بھائیوں کو سلام کرتا ہے۔ دستور تھا کہ ہر سال بادشاہ کی سالگرہ نہایت دھوم دھام کے ساتھ منائی جاتی تھی جس میں عیش و نشاط کی محفلوں اور رنگ رلیوں میں بے شمار روپیہ بیکار اڑا دیا جاتا تھا، لیکن آپ نے تخت نشین ہوکر اس رسم کو بھی قطعاً بند کر دیا اور حکم دیا کہ سالگرہ کے موقع پر ان بیہودہ رسوم کی بجائے ملکی مصنوعات کی نمائش ہو۔ عساکر عثمانیہ و نظام حکومت کا جائزہ لیا جایا کرے۔ کارگذاران و بہی خواہان اراکین سلطنت کی خدمات کے صلہ میں انعامات و اکرامات و اعزازات و خطابات سے سرفراز کرنے کا طریقہ رائج کیا۔ قدیم رسم تھی کہ تحصیلداران ممالک محروسہ خود ہی کسی پر مقدمہ دائر کرتے اور خود ہی اپنے عدالتی اختیارات کی رو سے فیصلہ صادر کر دیا کرتے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعی سے مدعا علیہ کو جو خود ہی مجوز ہو انصاف کی کہاں تک امید ہو سکتی ہے حضور نظام کی دوربین نظروں نے اس غلطی کو دیکھا اور تحصیلداران سے عدالتی اختیارات سلب کر کے ملک میں متعدد منصفی عدالتیں قائم فرما دیں۔ انتظام ریاست پہلے صرف ایک ذمہ دار وزیر اعظم کے سپرد ہوتا تھا لیکن اعلحضرت نے اس کو مناسب نہ سمجھا کہ ایک تنہا آدمی اتنے بڑے کام کو خود انجام دے اس وجہ سے ۷ ارنومبر ۱۹۱۹ء کو اعلحضرت نے اپنے فرمان خاص کے ذریعہ ممالک محروسۂ نظامیہ کے انتظام کی عنان حکومت ایک مجلس انتظامی کے تعلق و سپرد فرما دی۔ اور اس مجلس جدید کا نام باب حکومت رکھا۔ جس کے لئے پھر ایک دستور مرتب کیا گیا۔ جس میں ہر ایک ارکان اور صدر کے اختیارات تعین

کر دئے گئے۔ اس مجلس کے سات ارکان مقرر کئے اور ایک صدر جو، ہمیشہ صدر اعظم یعنی وزیر اعظم ہوتا ہے۔ صدر اعظم و صدر باب حکومت کے ماتحت مجلس واضعان آئین و قوانین کا سررشتہ بھی ہوتا ہے۔ ارکان، کی تفصیل یہ ہے۔ رکن۔ رکن عدالت۔ رکن افواج۔ رکن مالگزاری۔ رکن امور عامہ۔ رکن سیاسیات۔ رکن تجارت و حرفت و صنعت۔ انہیں ہر ایک رکن اپنے اپنے سررشتہ کا صدر المہام کہلاتا ہے۔ آجکل صدر باب حکومت مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر بالقابہ ہیں۔

صدر المہاموں کے علاوہ گیارہ معتمد سکرٹری سررشتہ جات مقرر ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے (۱) معتمد پیشی، مبارک (۲) معتمد سیاسیات و بلدیات (۳) معتمد فینانس جس کے ماتحت دارالضرب و محکمہ بجلی ہیں۔ (۴) معتمد عدالت۔ جس کے ماتحت مالگزاری، پیمائش، بندوبست، چنگی، جنگلات۔ کورٹ آف وارڈس، آبکاری وغیرہ (۵) معتمد وضع قوانین۔ (۶) معتمد امور عامہ ۱ جس کے متعلق عام امور ہیں (۷) معتمد امور عامہ ۲۔ آبپاشی اور ٹیلیفون کے سررشتوں کا علاج (۸) معتمد فوج۔ جسکے ماتحت، فوج۔ طبابت۔ حفظان صحت، علاج حیوانات کے سررشتہ ہیں (۹) معتمد تجارت و حرفت، اس کے ماتحت معدنیات۔ لوکل فنڈ، انجمن امداد و فنون زراعت اور کارخانہ جات ہیں۔

حضور نظام نے سررشتہ نوآبادیات قائم فرما کر ایک کمی کو پورا کیا۔ اس سررشتہ کا کام یہ ہے کہ جنگلوں کو صاف کر کے غیر آباد زمین پر لوگوں کو نوآبادی کے طور پر آباد کرے۔ لوگوں کو کاشت کرنے کے لئے ہزاروں بیگھے اراضی مفت تقسیم کر دی گئی۔ اس تدبیر سے تمام بنجر اور ویرانے آباد ہوگئے اور ان سر زمینوں میں غلہ وغیرہ بکثرت پیدا ہونے کی امید ہے۔ جس سے ہر حیثیت سے ملک کو ترقی حاصل ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کی طرح دولت آصفیہ میں بھی محکمۂ قرض امداد باہمی قائم ہوا جو کاشتکاروں کو بہت کم سود پر روپیہ قرض دیتا ہے جس سے کاشتکاروں کو کھیتی باڑی کے کاروبار میں، بہت سہولت و آسانی ہوگئی ہے۔ حسب حیثیت کاشتکار قرضہ لے کر بالاقساط ادا کرتے رہتے ہیں۔ مارواڑیوں اور بنیوں کی زد سے، محفوظ ہوگئے جو ایک ایک روپیہ کی جگہ دس دس روپیہ چند سال میں سود در سود شامل ہو کر ہو جایا کرتے تھے اور ان کی ادائیگی نہ ہونے پر، بیل گاڑی سب ان کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ کاشتکاروں کو اس مصیبت عظیم سے بچانے کے لئے حضور نظام نے یہ سررشتہ قائم فرما کر رعایا کی بڑی پرورش فرمائی ہے۔ نمازی مسجد کے اندر سجدہ گاہ کے سامنے

جوتے رکھکر چوروں کے چرالیجانے کے خوف سے نماز پڑھا کرتے تھے۔حضور
نظام نے منع فرما دیا کہ جوتے اکثر غلیظ مقامات پر جاتے ہیں جس سے ناپاک
و نجس ہو جاتے ہیں اور نفرت پھیلتی ہے اس لئے جوتوں کو اندر نہ لیجایا
کریں۔اس کا انتظام حضور اعلیٰحضرت نے یہ فرمایا کہ چند پولیس کے سپاہیوں
کو مسجد کے دروازوں پر مقرر کر دیا ہے کہ نماز ہونے تک وہ سپاہی،
نمازیوں کے جوتوں کی نگرانی کریں۔ممالک نظامیہ میں یوم میلاد النبی صلعم
کے موقع پر کھیل، کرتب اور جلوس وغیرہ کے خرافات بھی ہوا کرتے
تھے۔اعلیٰحضرت نے سب کو منع فرما دیا کہ تمام حرکات آداب کے سراسر
خلاف ہیں۔ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ سرکاری عہدہ دار دورہ پر جایا
کرتے تھے تو اس موقع پر رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوا کرتی تھیں۔
اعلیٰحضرت نے حکم امتناعی جاری فرما کر اس قسم کی حرکات ناشائستہ یک
لخت موقوف کرادیں۔اب ایسا کرنے پر حکام سے جواب طلب ہوتا
ہے۔ایّام محرم میں طرح طرح کے سوانگ اور قسم قسم کی بہروپ بھرے جاتے تھے
ناٹک کے طور پر گانا بجانا بھی خوب خوب ہوتا تھا۔حضور نظام نے
اب اس قسم کی بدعات کو ایّام محرم میں ممنوع قرار دیدیا ہے۔
زنجیروں اور خار دار کیلوں سے ماتم بھی ممنوع قرار دیدیا ہے جس سے
دوسری قومیں ان زخمیوں کو جو ماتم سے ہو جایا کرتے تھے دیکھکر
ہنسا کرتی تھیں۔

علاوہ ازیں حضور نظام عالی مقام نے ہندوانہ رسم مرلی کا،
انسداد فرما کر ممالک نظامیہ ہی کو اس رسم قبیحہ سے پاک نہیں کیا بلکہ،
ہندو قوم سے ایک نہایت بری رسم ہمیشہ کے لئے متروک کر دی۔وہ
رسم یہ تھی کہ ہندوؤں کی نیچ اقوام اپنی باکرہ لڑکیوں کو مندروں پر
چڑھا دیا کرتے تھے اس رسم کا نام انہوں نے "مرلیاں" رکھا تھا۔
یہ بہت زیادہ تعداد میں اکٹھی ہو جایا کرتی تھیں اور جو مرلی سب سے
زیادہ فحش کی مرتکب ہوتی تھی وہ زیادہ پاک سمجھی جاتی تھی۔اعلیٰحضرت
نے بڑے بڑے پنڈتوں سے اس رسم کی تحقیقات فرما کر اور،
مطمئن ہو کر قانوناً اس رسم بد کو ممنوع قرار دیکے ہندو قوم پر احسان
عظیم فرمایا۔حضور نظام کی سالگرہ کے موقع پر مسرت میں بطیب خاطر
رعایائے حیدرآباد چندہ جمع کرکے بے جا صرف کیا کرتی تھی۔حضور نظام
نے حکم دیدیا ہے کہ ایسے چندہ سے غربا و مساکین کو غلہ و پارچہ د،

وظائف تعلیم جاری کر دئے جائیں اور ناچ رنگ و رقص و سرود
کی محفلیں موقوف کر دی جائیں۔اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ کے عہد ہمایوں نشان
کی یہ پہلی یادگار ہے جس پر رعایا کی خوشی و بہبودی کا مدار ہے کہ نوٹوں
کا اجرا ہوا جس سے تجارتی اشخاص کو بہت زیادہ سہولیت حاصل ہوئی
اور اس اصلاح کی قدر و منزلت تجارتی لوگوں کی نظر میں کافی مقبولیت
حاصل کر چکی ہے۔ملازمان و عہدہ داران ممالک نظامیہ کو نہایت تاکیدی
احکام صادر فرمائے گئے ہیں کہ اپنے اپنے اجلاسوں میں سماعت مقدمات
و مرافعات کے وقت حقہ، سگریٹ نہ پیا کریں اور نہ کھلے سر بیٹھیں نہ انگریزی
وضع کی وغیرہ ٹوپی پہنیں۔دستار منصبداری و شیروانی پہنکر اجلاس
کیا کریں۔

احکامات صادر فرمائے گئے ہیں کہ عدالتوں میں اجلاس کرتے
وقت افسران و عہدہ داران و وکلا و فریق مقدمہ وغیرہ سے جو اجلاس
میں حاضر ہوں ہر ایک سے حسب مراتب صاحب اجلاس حتی الامکان خلاق
وکشادہ پیشانی سے پیش آیا کرے۔ترش روئی و سخت کلامی اجلاس پر
ناجائز قرار دی گئی ہے اور نوروز اور تخت نشینی کی تاریخوں میں جو نذریں
پیش ہوا کرتی تھیں وہ بالکل موقوف کر دی گئیں۔ممالک حیدرآباد دکن
میں ایک عام رواج یہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ان کے والدین
سے لوگ خرید لیا کرتے تھے جو تمام عمر خدمت کیا کریں۔یہ بچے مدت العمر
غلام رہا کرتے تھے۔لیکن اعلیٰحضرت نے اس رسم بد کو بذریعہ فرمان خسروی
قطعاً بند کر دیا اب اس قسم کا رواج نہیں۔اعلیٰحضرت نے رعایا کی تکلیف
اور دل شکنی کی وجہ سے بیگار کا طریقہ قطعاً بند کر دیا۔مرغ بازی، بٹیر بازی،
تیتر بازی۔بیلوں۔بکروں۔مینڈھوں کی لڑائی کو لغو اور سراسر بے رحمانہ
اور وحشیانہ افعال قرار دیکر ممانعت سخت فرمادی ہے اور حکم صادر
فرما دیا ہے کہ قانون میں اس کے متعلق ایک دفعہ کا اضافہ کر دیا جائے۔
کہ جو شخص ان افعال مذمومہ کا مرتکب ہوگا اس پر سو روپیہ جرمانہ و ایک ماہ
کی قید محض کی سزا دی جائے گی۔قاعدہ تھا کہ حیدرآباد میں عرسوں
کے موقعہ پر گانا بجانا ہوا کرتا تھا اب اعلیٰحضرت نے ان تمام امور کی شدید
بندش کرادی ہے۔امرا کے یہاں بچہ کی ولادت پر ہیجڑے راگ رنگ
کرتے ہوئے پہونچ جایا کرتے تھے۔ان کا باقاعدہ ایک جگہ قیام رہا کرتا،
تھا اور یہ مکان ہیجڑوں کا لامرہ مشہور تھا۔اعلیٰحضرت نے آیندہ کے لئے

ہیجڑا بننے کی سخت ممانعت فرما دی ہے۔ پہلے فواحش پر کوئی پابندی نہ تھی اب تمام حیدرآباد میں کہیں فواحش کا نام نہیں۔ پہلے حیدرآباد فاحشہ عورتوں کا مرکز تھا لیکن اب وہاں بازاری عورت کا نام تک نہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی تعلیمی زبان اُردو کو قرار دینا اعلیٰحضرت کا اتنا بڑا شاندار کارنامہ ہے کہ آیندہ نسلیں اس کی تعلیم سے فائدہ اٹھا کر تعریفیں کیا کریں گی اور ملک و قوم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

دورِ عثمانی میں جس قدر عظیم الشان تغیرات ہوئے ہیں انہیں ذرائع آبپاشی کی توفیر خاص طریقہ سے مفید خلائق ہے۔ کروڑوں روپیہ تالاب بنانے میں صرف کیا گیا۔ بند باندھ کر دریاؤں کے پانی کو روکا گیا ان سے نہریں نکالی گئیں جس سے لاکھوں بیگھے آراضی کی آبپاشی ہوتی ہے اور رعایا فائدہ اٹھاتی ہے۔ اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے اپنی رعایا کی بہبود و آرام کو مدنظر رکھتے ہوئے عالی شان عمارات تعمیر کرائی ہیں جن پر لاکھوں روپیہ صرف کیا ہے۔ ہائی کورٹ احمد آباد کی شاندار عمارت ۳۱ لاکھ روپیہ کی لاگت سے تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت ہر لحاظ سے ہندوستان میں قابل دید عمارتوں میں سے ایک ہے۔ شفاخانۂ عثمانیہ پر ۴۲ لاکھ روپیہ صرف ہوئے ہیں۔ اس کی عمارت اس قدر وسیع ہے کہ اس عمارت میں بیک وقت دو سو مریض بآسانی رکھے جا سکتے ہیں۔ ۹ لاکھ روپیہ کی لاگت سے عثمانیہ کالج کی عمارت تیار ہوئی ہے اس کے علاوہ جامعہ عثمانیہ کے کالجوں، معلموں، بورڈنگ ہاؤسوں اور متعلقہ دفاتر و عمارات پر تخمیناً ایک کروڑ روپیہ خرچ ہونے کا اندازہ کیا گیا ہے۔ دریاؤں کے آٹھ دس پُل بنائے گئے ہیں جن پر کئی لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے۔ بارہ ہزار میل کی جدید سڑکیں بننے کی اسکیم زیر غور ہے۔ اس وقت نقل و حرکت کی سہولت کے لئے ۲۰۰ میل جدید سڑکیں بن چکی ہیں جن پر ایک کروڑ سے زیادہ رقم خرچ ہو چکی ہے۔ ذیل میں ہم فرمان عطوفت نشان کی ایک نقل درج کرتے ہیں۔ ناظرین کرام اس کو پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور نظام کو اپنی رعایا کی بہبودی و آرام و آسائش کی پاسداری کہاں تک منظور ہے اور رعایا کی خوشحالی کے لئے کس قدر درد و محبت کا اظہار فرمایا ہے اور قدیم طرز حکومت میں اپنی دانشمندی و دور اندیشی سے کیسی کیسی شاندار اور قابل تعریف نمایاں تبدیلیاں فرما کر امن و امان قائم رکھنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔

نقل فرمان واجب الاذعان

سنہ ۱۸۹۲ء میں غفران مکان حضرت والد مرحوم نے اس مملکت کی نظم کے لئے ایک جدید ضابطہ مرتب فرما کر بنام "قانونچہ مبارک" جاری فرمایا۔ اس تاریخی سرکاری کاغذ میں حضرت غفران مکان نے ان اصول پر نظر ڈالی جو اس ملک کی نظم کا قدیم دستور تھا اور اس میں ان نقائص پر بھی غور فرمایا جو سر سالار جنگ اول کے انتظامی اصلاحات میں موجود تھے اور جنگی برائیاں دور فرما کر اپنے ارشادات کو الفاظ ذیل پر ختم کیا۔

"اس مملکت کا ابتدائی طرز حکومت محض شخصی حکمرانی تھا۔ سالار جنگ اول نے اسے تقریباً سلطنت منضبط (کانسٹی ٹیوشنل) سے مبدل کیا۔ سالار جنگ دوم کی پس روی سے زمام اختیار چند غیر مستحق ہاتھوں میں آگئی اور آسمان جاہ کی نظر میں ان کے مددگار کی ذاتی حکومت اس خود سری تک پہونچی کہ مابدولت کو احساس ہوا کہ بلا تاخیر اسکا انسداد کیا جائے۔" پھر اس طرزِ حکومت کے بیّن نقائص کی جو محتاج اصلاح تھے صراحت کی گئی۔ جدید طرز عمل میں بعض اصول تاکیداً واجب التعمیل قرار دیکر اپنی عزیز رعایا کے آرام و طمانیت اور خوشحالی کے لئے ایک بہتر سلسلہ نظم کی تجویز کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت غفران مآب کا یہ ارشاد ہوا کہ "امن و امان رعایا کی بہبودی اور سرکاری خزانہ کا مکتفی رہنا حکومت کی قابلیت کے معیار ہیں" الغرض اس وقت انصرام نظام کے قواعد کی تدوین میں حضرت غفران مکان کے متذکرہ صدر عالی خیالات کی کامل تقلید کی گئی اور ان کی تعمیل پر تہدید۔ اس جدید طرز حکومت میں جو نمایاں تبدیلیاں ہوئیں وہ یہ تھیں کہ قدیم کونسل آف اسٹیٹ (مجلس سلطنت) کی جگہ جو آخر کار بیکار آمد ثابت نہ ہوئی کیبنیٹ کونسل (مجلس وزراء) قائم کی گئی اور مجلس وضع قوانین کا انعقاد اس غرض سے کیا گیا کہ قوانین و ضوابط کی تدوین قابل و تجربہ کار ملازمین کی مدد و مشورہ سے کی جائے اور ہر دو کونسل و نیز مدار المہام و نیز دیگر صیغہ

کے اختیارات و فرائض منصبی معین کئے گئے۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں مرتبہ قواعد موسوم بہ قواعد قانونچہ اس غرض سے شائع کئے گئے کہ اصل اصول قانونچہ مبارک کی بر لحاظ تجربہ مابعد توضیح کی جائے۔ یہ توضیح شدہ نظم، حضرت غفراں مکان کی پیش از وقت وفات حسرت آیات تک اور، نیز بعد تخت نشینی ما بدولت تا بکم دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء قائم رہی۔ مابدولت نے اس روز بلا توسط غیرے نظم حکومت کی ذمہ داریاں اختیار کیں اور جب سے ابتک بغیر معاونت مدار المہام اپنی جانب بہ نفس نفیس کار فرما ہیں۔ انصرام کار حکومت میں اینجانب نے وہی روش برابر اختیار کی جو حضرت والد مرحوم غفراں مکان کی جلیل القدر رہنمائی سے پائی اور جن کا ذکر نہایت خوبی سے قانونچہ مبارک کے ابتدائی حصہ میں آیا ہے۔ بایںہمہ سابق کے طرز عمل سے اینجانب نے صرف ایک امر میں تجاوز کیا ہے۔ دفاتر کے معمولی روزمرہ کام، سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے معین المہامان و صدر المہامان کے، اختیارات میں توسیع کی گئی۔ اس ملک کے نظم و نسق میں متعدد گوناگوں اصلاحات جو اس وقت تک ہوئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دانشمندی اور دور اندیشی نے قواعد قانونچہ مبارک میں کسقدر روح پھونکی ہے اور سلطنت کی مالی حالت میں استحکام کا مادّہ پیدا ہوگیا ہے اور سکّہ جو اس ملک کا طغرائے امتیاز کہا جا سکتا ہے، اس کی بنیاد بھی مستحکم ہوگئی ہے۔ غور کردہ تدابیر وقتاً فوقتاً عمل میں آئی ہیں۔ جدید صیغہ جات جیسے ادارۂ زراعت اور انجمن ہائے فرقۂ امداد باہمی رعایا کی مادی و مالی حالت کی ترقی کی غرض سے قائم کرلئے گئے ہیں۔ حکومت کے کام کے ساتھ ذاتی تجربہ نے اپنی جانب کو صحیح اندازہ کرنیکا موقع دیا کہ تغیر زمانہ و حالات نے کیا کیا نئی صورتیں اور محتاجیاں پیدا کردیں اور ہر امر جو رعایا کی فلاح و بہبودی میں معین پایا گیا اس نے مابدولت کو مزید کوششوں کی طرف راغب کیا۔ ساتھ ہی اینجانب کو ان اہم مسائل کا بھی پورا احساس ہوا جن کے حل و عقد کے لئے بڑی حکمت و دانائی درکار ہے اور ملک کے مادی ذرائع میں ابتک خاطر خواہ ترقی نہیں ہوئی۔ صنعت و حرفت کی توسیع اور عام تعلیم کی ترقی ہنوز کامل توجہ کی محتاج ہے۔ وہ حقیقی ہمدردی اور شفقت آمیز فکر جو اپنی رعایا کی فلاح و بہبود سے متعلق ہے ہمیشہ مابدولت کے مطمح نظر رہی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ان کارروائیوں سے جو، ابتک عمل میں آئی ہیں کافی طور پر نہیں ہوا۔ مابدولت کو ہر وقت خیال رہا کہ جلد کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس سے مابدولت کی رعایا زیادہ خوشحال نظر آئے اور نیز یہ کہ وقتاً فوقتاً قحط کے نمایاں ہونے سے جن مصائب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے حتی المقدور ان کا سدباب، ہوجائے۔ جب کوئی اہم طرز عمل فوائد عامہ کے لئے اختیار کیا جائے تو اول شرط کامیابی یہ ہے کہ اس خاص مقصد کے واسطے ایسے طریقے عمل میں لائے جائیں جو اس کے حصول کے لئے ضروری ہوں کیونکہ اچھی حکومت کی بنیاد کا انحصار زیادہ تر سلسلۂ سیاسیات پر ہے نہ کہ ذاتی اوصاف حکمرانی پر۔ اس ستائیس برس کے ممتد، زمانے میں یعنی جب سے کہ سنہ ۱۹۲۶ء کے کانسٹی ٹیوشن پر عمل ہونا شروع ہوا ہے اس میں بھی بہت سی خرابیاں جو ہر انسان کے اعمال کا خاصہ ہیں بتدریج داخل ہوکر نمو پاگئیں، اور جس وقت سے کہ فرائض مدار المہامی اینجانب خود انجام دے رہے ہیں متعدد اقسام کے، نقائص اور کمزوریاں مابدولت پر آشکارا ہوئیں۔ نظر غائر نے ان، نقائص کو عیاں کرکے یہ بھی دکھلا دیا کہ کہانتک وہ اصل مقاصد حاصل ہوئے جو حضرت مرحوم کے مرکوز خاطر تھے اور جنکے واسطے انہوں نے متعدد تاکیدی احکام جاری فرمائے تھے۔ اولاً صیغہ جات کی مدد اور امداد کی کمی ایک ایسا نقص ہے جس سے وقت و محنت کی، بربادی اور جس کا لازمی نتیجہ کام کی فضولی ہے۔ ثانیاً یہ کہ معمولی، مقامات کے انفصال میں بھی غیر معمولی تعویق ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ حکومت کے اصلی فرائض کا مفہوم بعض صیغوں میں ناکافی ہونے سے دوسرے صیغوں کے کام میں بیجا دست اندازی ہوتی ہے جسکا نتیجہ، کارروائی میں پیچیدگی و مراسلت میں طوالت ہے اور یہ بھی ایک سخت خرابی ہے کہ معین المہامان و صدر المہامان کے کاموں میں، تحجاب ازروئے قانونچۂ مبارک وقت پر پیش کرنا عادتاً ترک کرادیاگیا ہے۔ خرابیاں جو اس طرح منتج ہوئیں ان کا الزام موجودہ طریقۂ کار پر غالباً اسی قدر عائد ہوتا ہے جتنا کہ دیگر اسباب پر۔ بہرصورت، ماحصل یہ ہے کہ طریقۂ مذکور درستی نظم کے لئے مضر ثابت ہوا۔ صیغہ جات کے کام کی سہولت اور ان کے باہمی تعلقات میں درستی پیدا کرنے

کیلئے قانونچہ مبارک کے دسویں فقرے کے دوسرے حصہ میں، قواعد کی تدوین کی ہدایت غالباً اس غرض سے کی گئی تھی کہ ان کا طریقہ عملی ترقی پاکر زمانۂ حال کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ لیکن بدقسمتی سے ان قواعد کی تدوین نظرانداز کی گئی اور نظم و نسق کا کام اسی قدیم طریقہ پر چلتا رہا ہے۔ امتداد زمانہ اور تجربہ نے غلط ثابت کر دیا۔ اگرچہ بعض اوقات کیبنٹ کونسل میں روح پھونکنے کی کوشش کی گئی مگر یہ بھی حکومت کی مشین میں اپنا کام کرنے سے باز رہی۔ اس کے عملاً بیکار ہو جانے کی یہ وجہ پائی جاتی ہے کہ اس کی حیثیت صرف ایک مجلس شوری کی تھی۔ اس کو نہ تو اپنے احکام کی تعمیل کرانے کا اختیار تھا اور نہ وہ اپنے احکام کے عملی نتائج کی ذمہ دار تھی۔ اس کا بحیثیت جزو حکومت تقریباً محو ہو جانا کامیابی کے ان شرائط کی تکمیل میں ہارج ہوا ہے جو ہر ایسی سیاسی تعمیر کی لازمی بنیادیں ہیں جن کے استحکام سے رفاہ عام کی ترقی کے بڑے مقاصد فروغ پاتے ہیں اور اعلیٰ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

موجودہ طرز عمل کے نقائص اور ان کے استیصال کی بہترین تدابیر اور رعایا کی بہبودی کے واسطے نظم مملکت کی ترکیب اور موزونیت کے مسائل نے ایک عرصہ سے ما بدولت کے خیال و فکر کو اپنی طرف متوجہ رکھا ہے اور اب ما بدولت کو یہ ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ، فرائض مدار المہامی کا بڑا حصہ جو گذشتہ پانچ سال سے اینجانب کے دست خاص سے انجام پا رہا ہے اب اس سے ما بدولت سبکدوش ہو جائیں اور ما بدولت کے قطعی و کامل اقتدار کے تحت حکومت کا، کام اور اس کی ذمہ داریاں ایک مجلس کے سپرد کی جائیں۔ مملکت کی بہترین نظم کے لئے ما بدولت کا مصمم ارادہ ہے کہ ایک بڑا حصہ، ان فرائض کا جسے مدار المہام نے انجام دیا ہے جلد سے جلد اگزکٹو، یعنی باب حکومت کے تفویض کیا جائے۔ اس باب حکومت کے اراکین تجربہ کار عہدہ دار ہوں گے اور صدر اعظم ہونگے جو مسلمہ لیاقت و قابلیت و وقعت رکھتے ہوں۔ مزید اختیارات مدار المہامان و صدر المہامان جو وقتی لحاظ سے تفویض ہوئے تھے اور ایسے ہی مزید اختیارات جو معتمدین کو مجلس وضع قوانین و صیغۂ عدالت کے دفاتر کے متعلق دئے گئے تھے وہ فی الحال منسوخ کئے گئے۔ اراکین باب حکومت کو (جن کا ہر فرد بلقب صدر المہام ملقب ہوگا) اس وقت سے منفرداً وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو زمانۂ مدار المہامی میں معین المہام کو حاصل تھے۔ الّا وہ اختیارات جن کی ترمیم واضح طور سے صیغہ جات الف و ب و ج و دستور العمل باب حکومت منسلکہ فرمان ہذا میں کی گئی ہے۔ مجلس و قوانین تا ترمیم ضابطہ اپنے موجودہ قواعد پر عامل رہے گی۔ باب حکومت کے علاوہ صدر اعظم کے آٹھ اراکین یعنی سات صدر المہامان صیغہ جات اور ایک صدر المہام (اختصاص) پر شامل ہوگا۔ اگر اراکین کی تعداد میں سے ایک نائب صدر اعظم (جس کا تقرر ما بدولت کریں گے) صدر اعظم کی غیر موجودگی میں ان کے فرائض انجام دیگا۔ ان خدمات کی امثلہ جن کا فیصلہ، صدر المہام صیغہ (نمبر انچارج) کے اختیارات سے باہر ہو تو معتمد صیغہ اپنے صدر المہام کی رائے کے ساتھ صدر اعظم کے معائنہ کیواسطے ارسال کریگا۔ صدر اعظم حکم مناسب کے بعد ایسے امثلہ کو صدر المہام، صیغہ کے توسط سے محکمۂ متعلقہ کو واپس کر دیں گے۔ بہ پابندی قواعد، نافذہ صدر اعظم اس کے مجاز ہوں گے کہ کل امور مندرجہ ضمیمہ الف کا فیصلہ خود کریں اور ان کو اختیار ہوگا کہ ایسے امور میں اراکین باب حکومت کی رائے طلب کریں یا نہ کریں۔ کسی امر محولہ ضمیمہ (ب) کو صدر اعظم جب باب حکومت میں پیش کریں اس کا فیصلہ بہ غلبۂ آرا کریں گے اور وہ فیصلہ حکم قطعی سرکاری سمجھا جائیگا اور فی الفور صدر اعظم باب حکومت کے نام سے جاری ہوگا۔ ایسی حالت میں کہ صدر اعظم کی طرف غلبۂ آرا نہ ہو وہ اس کے مجاز ہوں گے کہ بلا تاخیر اپنی رائے کے ساتھ مقدمہ ما بدولت کے ملاحظہ میں بغرض حکم مناسب پیش کر دیں اور تا صدور حکم اپنی جانب باب حکومت کی اجرائی ملتوی رکھیں، صدر اعظم کا فرض ہوگا کہ امور مندرجہ ضمیمہ (ج) کو غور کے لئے باب حکومت میں پیش کریں اور ما بعد نتائج و مباحث آرا اراکین اور خود اپنی، توجہات کو حکم آخر کے لئے ما بدولت کے ملاحظہ میں پیش کریں۔

تقررات کے معاملہ میں ہمیشہ یہ امر ما بدولت کے مطمح نظر رہا ہے کہ اس ملک کی رعایا کو غیر ملکیوں پر لازماً ہمیشہ ترجیح دی جائے کیونکہ یہ ان کا واجبی حق ہے جس کو پورے طور سے ملحوظ رکھنا ضروری ہے بشرطیکہ وہ ادائے فرائض منصبی کے لئے کافی لیاقت و قابلیت رکھتے

ہوں۔ البتہ خاص صورتوں میں جبکہ خاص صفات کے اشخاص کی ضرورت محسوس ہو اس کلیہ سے اغماض ہو سکتا ہے۔ اس لئے آیندہ چلکر اس قسم کا معاملہ پیش آئے تو قبل تقرر مابدولت کی منظوری حاصل کرنا لابد ہوگا کل ایسے قواعد وضوابط جو اس وقت نافذ مگر قواعد منسلکہ فرمان ہذا کے متناقض ہیں وہ بقدر تخالف منسوخ کئے گئے۔ اینجانب کے اقتدارات شاہی اور قطعی اختیارات تنسیخ پر اس فرمان کا یا اسکے ذیل قواعد کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اور ان اقتدارات و اختیارات کو، اینجانب جس وقت اور جس طرح مناسب سمجھیں استعمال فرمائیں گے مابدولت کا منشاء اس فرمان سے یہ ہے کہ ان اختیارات و اقتدارات منتقلہ کے فوائد سے جو ایک اچھی گورنمنٹ کی ضروریات کیموافق، ہوں حتی الوسع اپنی عزیز رعایا کو بہرہ اندوز کیا جائے اور سرکاری ملازمین کی انتظامی ذمہ داریوں کے دائرہ کی توسیع اور انکی نوعیت کی اصلاح کی جائے۔ مابدولت کے عہدہ دار اور غیر عہدہ داروں کے مابین ارتباط کے زیادہ مواقع پیدا کئے جائیں تاکہ رعایا کی فلاح و بہبود کے مشترکہ کام میں سہولت اور اس قدیم حکومت کی کامیابی و نیکنامی ہو۔ مابدولت اپنے تمام ملازمین کو بطور فرض متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی خدمات کی انجام دہی میں احساس فرائض و حب الوطنی اور غایت دلچسپی و انہماک سے کام لیں اور ہر فرد کو خواہ عہدہ دار سرکار ہو یا نہ ہو سمجھ لینا چاہیئے کہ مابدولت کی، رعایا کو خوش و خرم رکھنے اور فارغ البال بنانے میں جہانتک اسے موقع ہو حصہ لے۔

دستخط مبارک

۱۲ر صفر ۱۳۳۸ھ شنبہ

دولتِ برطانیہ سے حضور نظام کے وفادارانہ تعلقات

دولت آصفیہ ہمیشہ سے گورنمنٹ برطانیہ کی معاون اور سچی و مخلص ہمدرد و خیر خواہ ہے۔ اعلحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ، نے جنگ عظیم کے زمانہ میں جس خلوص اور فراخدلی سے گورنمنٹ انگریزی کو امداد دی ہے اس کی نظیر ملنا غیر ممکن ہے۔ ۶۰ لاکھ۔ ۱۵ لاکھ ۵۷ لاکھ۔ ۵۰ لاکھ۔ ۳ ½ لاکھ کے بڑے بڑے گرانقدر عطیات، اور علاوہ ازیں ضرورت سے زیادہ جمعیت شروع جنگ میں فراہم کرکے پیش کی۔ اس کے علاوہ بھی لاکھوں روپیہ ماہانہ کے اخراجات خود برداشت کئے۔ اس بہادر اور شجاع سپاہ نظامیہ نے انگریزی افواج کے ساتھ رہکر میدان جنگ میں شاندار خدمات انجام دیں۔ جس کا اعتراف برٹش فوجی افسران نے تہِ دل سے کیا ہے۔ انتظام اور استحکام سرحد کے واسطے غفران مکان اعلحضرت میر محبوب علیخاں بہادر نے یک لخت ساٹھ لاکھ روپیہ گورنمنٹ ہند کو مرحمت فرمائے بزمانۂ جنگ عظیم حضور نظام میر عثمان علی خاں والامقام کی جانب سے حسب ذیل فوجی و مالی امداد سلطنت برطانیہ کو دی گئی۔ بطور امداد برائے تکمیل جنگ ۱۸۲۰۹۶۰۰۔ قرضۂ جنگ سنہ ۱۹۱۶ء میں ۹۰۰۰۰۰ ۳ لاکھ سنہ ۱۹۱۷ء میں ۵۷۰۰۰۰ لاکھ۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں ۵۰۰۰۰۰ لاکھ۔ اخراجات افواج دکن ہارس نمبر ۲۰ فرسٹ حیدرآباد امپیریل سروس نمبر ۱ ۱۵۳۰۰۰۰۰ عطیات متفرق ۳۸۰۹۶۰۰۔ عطیۂ خاص سرانجام جنگ کیلئے ۱۵۰۰۰۰۰ گرانی جنگ ۱۱۰۰۰۰ سالانہ۔ امداد جنگ بحری ۱۵۰۰۰۰۰۔ چاندی غیر، مسکوک بشکل خشت ۵۰۰۰۰۰۔ بتقریب ۲۵ سالہ سالگرہ شادی ہز مجسٹیز ۳۷۵۰۰۰۔ ریلیف فنڈ پرنس آف ویلز ۱۰۰۰۰۰۔ سامان حرب ۹۰۰۰۰۰۔ صلیب احمر ۱۰۰۰۰۰۔ متفرق ۱۳۴۶۰۰۔

دولت آصفیہ کے تمام کارخانے شروع جنگ سے سامان جنگ کی تیاری میں مصروف رہے۔ دولتِ آصفیہ کے ورکشاپ سے جو سامان جنگ بزمانۂ جنگ تیار ہوا ہے اس کی مختصر تفصیل اس نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

نام اشیار	مقدار	مالیت		
		پائی	آنہ	روپیہ
توڑوں کے ڈبے	۱۴۶۹۳	۰	۰	۲۱۶۳۲۴
گولے ۳۰ بی آر	۸۶۲۶	۰	۰	۱۰۶۵۲۷
توپخانہ آتش افروز	۴۵۸۳	.	.	۳۸۴۳
اوزار قاطع	۳۰۰۰	۴	۸	۹۳۱۹
زینیں مع تفنگ آویز	۳۴۰۰	۹	۱۰	۱۳۱۲۸
گاڑیونکے چاکونکے اڈی	۵۳۰	۶	۴	۱۱۵۶۸

نام اشیاء	مقدار	مالیت		
		پائی	آنہ	روپیہ
ایرس درجہ دوم	۵۴۰	۳	۷	۱۳۰۱۶
عرادۂ بار برداری	۱۰۲۲۵	۶	۱۳	۲۵۵۲۱۵
آتش افروز	۱۰۵۳۶	۶	۱۴	۲۰۵۴
فولادی تھیلے	۵۲۰۰۰	۱۰	۸	۵۰۵۵
رسنوں کے لئے تختیاں	۵۲۰۰	۰	۶	۶۵۰۷
نشان گاڑی (چاک)	۲۳۰	۱۰	۹	۳۱۶۵
آلات حساب توپخانہ	۳۰۰	۰	۰	۴۹۸

نوٹ

ان کے علاوہ چار رمنے ۔۔۔۔۔ ۲۲ ہزار سالانہ آمدنی کے عطا کئے۔ افسران کے لئے کوٹھیاں و بنگلے رہائش کے لئے مرحمت ہوئے۔ ریموںٹ ڈپو اورنگ آباد کو کٹی کی گھاس وغیرہ کا خرچہ ۲۲ ہزار حکومت نظام نے ادا کیا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی ۱۹۱۴ء میں حیدرآباد امپیریل سروس رسالہ مصر روانہ کر دیا گیا۔ جس نے بمقام فلسطین و عرب انگریزی سلطنت کی اعانت میں شجاعانہ خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۵ء میں سو قابل تجربہ کار افسران کی کمانڈ میں ایک سو چابک سوار ٹرینڈ متفرق رسالہ میں گھوڑوں کی تربیت و اصلاح پر مامور کئے گئے۔ حکومت آصفیہ نے قلیل عرصہ کے اندر ۴۹۰۰ افراد بھرتی کئے۔ بھرتی کی رفتار ماہانہ ۲۱ سے ۷۰۰ تک پہونچ گئی تھی، ریکروٹنگ وغیرہ افسران کی تنخواہ حکومت نظام نے خود برداشت کی۔ اسی زمانہ میں ایک خاص فرمان جاری فرمایا کہ

سلطنت آصفیہ کے یوروپین اور انگلو انڈین افسران بھی جنگی خدمات انجام دے سکتے ہیں اور انھیں معقول سہولت و رعایت ہوگی۔ یعنی ان کے عہدے انھیں کیلئے محفوظ رکھے جائینگے اور بقدر نصف تنخواہ الاؤنس بھی دیا جائیگا۔

بستم دکن ہارس کو میدان جنگ میں روانہ کرنے سے پہلے دس ہزار روپیہ کی نئی تلواروں سے مسلح کیا گیا۔ کمانڈنگ افسر اور دیگر پانچ افسروں کو حکومت نظام کی طرف سے گھوڑے بھی عطا فرمائے گئے۔ یہ بات ہر شخص کو نہیں معلوم کہ علاوہ کروڑہا روپیہ قرض دینے اور فوجی امداد کے حضور نظام نے شروع جنگ سے تا اختتام جنگ یعنی ۱۹۱۴ء سے لیکر ۱۹۱۹ء تک برٹش گورنمنٹ کو ۳ لاکھ روپیہ ماہانہ بطور امداد جنگ دیا ہے۔

مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت حضور نظام نے گورنمنٹ برطانیہ کو روپیہ، فوج، سامان حرب نیز ہر قسم کی امداد دینے میں آجتک کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور برطانیہ کو ثابت کر دکھایا کہ ہندوستانی والیان ریاست میں سب سے زیادہ ہاتھ بٹانے والے خیر خواہ اور مخلص دوست خود اعلیٰحضرت ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں اعلیٰحضرت کی سالگرہ کے موقع پر رزیڈنٹ ریاست نے اعلیٰحضرت کا جام صحت تجویز فرماتے ہوئے اعلیٰحضرت کی بیش بہا جنگی و مالی خدمت کا ذکر کیا۔ اس سے پہلے ۱۹۱۳ء میں لارڈ ہارڈنگ جب دوبارہ حیدرآباد تشریف لائے ہیں تو حضور کی شاہانہ خاطر و مدارات سے محظوظ ہو کر حضور نظام کی مادی۔ اخلاقی۔ ملکی۔ اصلاحی۔ بے تعصبی۔ قومی ہمدردی۔ معدلت گستری۔ علمی فیاضی و نیز گورنمنٹ کی دوستی کا اعتراف فرمایا تھا۔ لیکن لارڈ ریڈنگ سابق وائسرائے ہند جو مذہباً یہودی تھے خاموشی کے ساتھ دو صدی کی دوستی پر بھاری ضرب لگا گئے۔ یعنی حضور نظام نے جب اپنا صوبہ برار واپس مانگا تو لارڈ ریڈنگ نے برطانیہ کی طرف سے جواب دیا کہ آپکے والد ماجد اس کا استمراری پٹہ لکھکر دے گئے ہیں۔ آپ اپنی جائداد کا معاوضہ یا خراج مدامی لیتے رہیئے۔

ان تمام اہم جنگی خدمات کے شکریہ میں حکومت برطانیہ نے یہ اعلان کیا کہ "اعلیٰحضرت حضور نظام فرماں روائے دکن کو آئندہ سرکار انگریزی کے مراسلات میں "یار وفادار" کے بجائے "یار وفادار سلطنت برطانیہ لکھا جایا کرے۔" انھیں دنوں میں ملک معظم نے ہزاگزالٹڈ ہائی نس کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اب اس اعلان کے موافق حکومت برطانیہ کے مراسلات میں حضور نظام کو یہ لکھا جاتا ہے

"فیتھ فل آلائی آف برٹش گورنمنٹ ہز اگزالٹڈ ہائی نس"

شاہزادہ پرنس آف ویلز ولیعہد سلطنت برطانیہ کی زبان فیض ترجمان سے اعلیٰحضرت کی خدمات کا اعتراف

یہ واقعہ بھی ہے اور خود انگریزی مورخین بھی معترف ہیں کہ حکومت برطانیہ کا استحکام ہندوستان میں سب سے زائد حکومت نظام کی قوتِ بازو کا شرمندۂ منت ہے۔ زمانہ شاہد ہے کہ ایام غدر میں اگر سلطنت نظامیہ برطانیہ کے آڑے نہ آتی تو اسی وقت انگریزی اقتدار کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ حکومتِ نظام نے دولت برطانیہ پر جو احسانات کئے ہیں وہ پوشیدہ نہیں۔ یہاں مختصراً ہم شاہزادہ ولیعہد حکومت برطانیہ کی تقریر کا وہ اقتباس نذر ناظرین کرتے ہیں، جو بزمانۂ قیام حیدرآباد حضور نظام کی تقریر کا جواب دیتے وقت، اور اپنے جلیل القدر میزبان کی شاہانہ خاطر و مدارات کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے ولیعہد برطانیہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

(۱) جس گرمجوشی کے ساتھ حضور نے میرا جام صحت تجویز کیا ہے اور میری مہمانی میں جس شاہانہ اہتمام سے کام لیا ہے اس کے لئے میرا شکریہ قبول فرمایئے۔ مجھے حیدرآباد آنے کا بڑا ہی اشتیاق تھا۔ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو تاریخی دوستی برطانیہ کے شاہی خاندان اور فرماں روائے حیدرآباد کے درمیان قائم ہے اس نے پختہ ہوکر ذاتی طور پر میرے دل میں حضور کی طرف سے مخلصانہ قدر و منزلت کے جذبات پیدا کردئے۔ حیدرآباد اور حکومت برطانیہ کے درمیان مروت اور اتحاد کا جو رشتہ قائم ہے اس کی واضح تفصیل سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

(۲) ہندوستان میں انگریزی حکومت کے اوائل ہی سے حیدرآباد اور اسکے فرمانرواؤں نے ہمارے اغراض و مقاصد کے ساتھ مکمل و مسلسل اتحاد برقرار رکھا ہے۔ اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدائی معرکے جنہیں ہمارے مدمقابل ٹیپو سلطان اور مرہٹے و پنڈارے تھے اس رشتۂ اتحاد کی مضبوطی کے کھلے گواہ ہیں۔ جو معاہدات اور حلیفانہ قرار دادیں ان معرکوں کے خاتمہ پر مرتب ہوئیں انھوں نے تاریخ ہندوستان کے واقعات مابعد کی تفصیل میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور اس مبارک آغاز کے انجام کی موزونیت پر زمانہ حال کی تاریخ نے مہر تبریک لگادی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء اور جنگ یورپ برطانی حکومت ہند پر موثر ہونے کے لحاظ سے وہ دو اہم ترین واقعات ہیں جنکے مشاہدہ کرنیوالے لوگ ابھی دنیا میں موجود ہیں۔

(۳) ان دونوں نازک موقعوں پر حیدرآباد نے اپنی تمام روایات کی عظمت برقرار رکھی۔ ۱۸۵۷ء کے سانحہ عظیم کے دوران میں حیدرآباد کی غیر متزلزل وفاداری نے سلسلۂ کوہستان ست پڑا کی جانب جنوبی ہندوستان کو ان وسیع فسادات کی زد سے بچائے رکھنے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ جنھوں نے شمال کے صوبجات میں ہمارے اقتدار کو خطرے میں ڈالدیا تھا۔ جنگ عظیم میں جو شکر ہے کہ اب ختم ہوچکی ہے حیدرآباد نے اپنے موجودہ بلند پایہ تاجدار کے ماتحت برطانیہ کو ایسی گراں بہا اخلاقی و مادی کمک بہم پہونچائی کہ یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ حضور "دولتِ برطانیہ کے وفادار حلیف" کے خطاب کے حقیقی مفہوم کا کیا زندہ اور عملی تصور اپنے ذہن میں رکھتے ہیں۔ یہ وہ خطاب ہے جسے حال ہی میں ملک معظم کے باضابطہ اعتراف کا شرف حاصل ہے۔

(۴) ناممکن ہے کہ میں اپنی تقریر میں اس امداد کا پوری تفصیل کے ساتھ تبصرہ کرسکوں جو حضور کی طرف سے برطانیہ کو ملی ہے اسلئے میں اس عنایت کو جستہ جستہ اور نمایاں خصوصیات پر اکتفا کرتا ہوں۔ سب سے اول اور سب میں پیش پیش وہ جنگی کمک ہے جو حضور نے اپنی فوج کی دو جمعیتوں یعنی امپیریل سروس لانسرز اور بقیہ جیش سواران دکن کو ڈیڑھ کروڑ روپیہ سے زائد کا خرچ برداشت کرکے، میدان جنگ میں شروع سے لیکر آخر تک قائم رکھا۔ اول الذکر شاندار جنگی خدمات کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ سال گزشتہ میں ملک معظم نے اس جیش کو لفظ شاہی سے مخاطب کرکے سرفراز فرمایا تھا۔ اس جیش کے کرنل ہونے کی حیثیت سے حضور کو اس کے ساتھ ذاتی وابستگی ہے جس کا اظہار نہایت ہی فیاضانہ طور پر حضور نے اس شکل میں فرمایا کہ جیش کو جدید وضع کی تلوارین عنایت

کی گئیں اور افسران جیش کو بادو پا مرحمت کئے گئے۔

(۵) برطانیہ کو حضور نے مالی امداد بھی دل کھول کر دی۔ چنانچہ منجملہ دوسرے اعانتی مدات کے حضور نے قرضۂ جنگ میں بقدر ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ کے شرکت کی۔ آبدوز کشتیوں کے مقابلہ اور متحرک فولادی قلعوں اور طیاروں کی بہم رسانی کے لئے تیس لاکھ روپیہ عنایت کیا۔ از کار رفتہ سپاہیوں کے خاندانوں کی امداد کے لئے اس سرمایہ میں جو عروسی نقرئی کی تقریب سے منسوب ہے۔ پچیس ہزار پونڈ مرحمت فرمائے۔ امپیریل انڈین ریلیف فنڈ کو ڈھائی لاکھ روپیہ بخشا۔ اور بقدر چار لاکھ روپیہ کے اس سرمایہ کی توفیر میں حصہ لیا جو خود میرے نام سے منسوب ہے۔ مصیبت زدگان سرویہ و بلجیم کے لئے امدادی سرمایہ کی تحریک ہوئی یا از کار رفتہ افسروں کی امداد کے لئے ہر صورت اور ہر موقع پر حضور نے امداد فرمائی اور بے دریغ فرمائی۔ غرض کوئی استدعا جسے ہمارے مقاصد کے ساتھ دور کی بھی نسبت تھی حضور کے دریائے ایثار سے خالی نہ لوٹی۔ آپ نے ان سپاہیوں کے لئے جنھوں نے جنگ یورپ میں جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھائے اور ان سپاہیوں کے اہل و عیال کے لئے جو میدان جنگ میں کام آئے حضور نے وسیع رقبۂ آراضی بہ سلسلۂ خدمات جنگ عطا کیا۔ اور اس میں فوجی نوآبادی کی شکل کی ایک بستی بسائی گئی جو ضلع نگر کے مبارک نام سے موسوم ہوئی۔ ان شکلوں میں اور دوسرے طریقوں پر جو حد شمار سے متجاوز ہیں حضور نے برابر اپنے مقدر کو ہماری قسمت کے ساتھ وابستہ کیا رکھا اور ہمارے اغراض و مقاصد کے ساتھ دہرایا اور اتحاد کا مستقل ثبوت دیا۔

(۶) حضور کی خدمت اعلیحضرت ملک معظم کی منزلت شناسی کے متعدد شواہد سے ممتاز ہے اور ہز اگزالٹڈ ہائی نس کا جو لقب حضور کو دیا گیا ہے اس کی تاریخ سلطنت برطانیہ کو صاف بتا رہی ہے کہ ریاست حیدرآباد کے کارنامے کیسے بدیع المثال ہیں اور اس ریاست کا فرماں روا کس قدر جلیل المنزلت ہے۔

(۷) ان لطف آمیز توجہات کے لحاظ سے جو مجھ پر مبذول کی گئی ہیں مکرر حضور کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنے رفیقوں کو جو حضور کے مہمان ہیں استدعا کرتا ہوں کہ ریاست حیدرآباد کی فرخی اور فراخی اور اس کے عالی مرتبہ فرماں روا کی درازی عمر و ترقی و اقبال کا سرور انگیز جام پینے میں میرے ساتھ شریک ہوں۔

شاہزادہ ولیعہد برطانیہ کی تقریر ناظرین نے ملاحظہ فرمائی اور ان کے خیالات کا اندازہ کر لیا کہ تہ دل سے ولیعہد برطانیہ حضور نظام کی پر خلوص ہمدردیوں کے جو ان کے ساتھ وابستہ رہیں اور ہیں مشکور ہیں۔ اب ذرا لارڈ ارون وائسرائے ہند کے خیالات ملاحظہ فرما کر فرق محسوس کیجئے۔

ہز اکسی لنسی وائسرائے ہند لارڈ ارون کے خیالات و تقریر کا خلاصہ جو شاہی ضیافت کے موقعہ پر حیدرآباد میں فرمائی

حضور وائسرائے ہند لارڈ ارون بالقابہ نے حیدرآباد میں جو تقریر فرمائی اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ "یہ سلطنت برطانیہ کی ہی دوستی اور امداد تھی جو مادی طور پر نظام کی حکمرانی کے استقلال کا باعث ثابت ہوئی۔"

معزز ہمعصر روزنامہ دکن نے اس فقرہ کے متعلق اظہار حیرت کرتے ہوئے ۱۲ دسمبر کے پرچہ میں لکھا تھا کہ برعکس اسکے کہ اس طاقتور سلطنت نظام کی یاری اور دوستی نے ہی ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے قیام میں مدد دی۔ اس عہد کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے تمام منصف مزاج لوگ وائسرائے ہند کی اس جسارت پر متحیر ہوں گے کہ بجائے سلطنت نظام کے انگریزی حکومت کی ایک سے زیادہ وقتوں میں آڑے آنے اور مدد کرنے کے الٹا اس پر استمداد کا احسان رکھتی ہے۔ کیا اکیلے انگریز ٹیپو کے مقابلہ میں عہدہ برآ ہو سکتے تھے یا زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء میں نظام کی اخلاقی امداد کے سوا ہندوستان میں ایک دن بھی اور ٹھہر سکتے تھے کہ جس کو

اس وقت بصد مشکوری تسلیم کیا جاتا تھا لیکن اب جبکہ حالات بدل گئے ہیں اس کے بیان سے اغماز کیا جاتا ہے۔

مختصر حالاتِ صوبہ برار

گو لارڈ ریڈنگ سابق وائسرائے ہند نے واپسی برار کے متعلق حضور نظام کو صاف جواب دیدیا کہ اس سے آپ کا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور گورنمنٹ برطانیہ اس کو اب واپس کرنا نہیں چاہتی۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو حقیقتاً دولت آصفیہ کا حق مالکانہ اب بھی برابر موجود ہے۔ حکومت ہند ہر سال پچیس لاکھ روپیہ بابتہ ٹھیکہ حکومت نظام کو ادا کرتی ہے اور اعلحضرت حضور نظام کی رسم سالگرہ کے موقع پر برار میں دولتِ آصفیہ کا شاہی نشان لہرایا جاتا ہے۔ جبکہ رقم ٹھیکہ ہر سال ادا ہوتی ہے تو اس کے مالک ہر صورت سے حضور نظام عالی مقام ہیں۔

ملک برار کا طول غرباً و شرقاً سو میل ہے۔ عرض شمالاً و جنوباً، ایک سو چوالیس میل آبادی ۳۰۶۰۰۰۰ ہے۔ زمین اعلیٰ قسم کی ہے مٹی سیاہ ہے جو ہندوستان میں زرخیز مانی جاتی ہے۔ بارش بہت زیادتی سے ہوتی ہے۔ روئی کی پیداوار نسبتاً ہر چیز سے زیادہ ہے۔ کوئلہ کی کان ہے جس سے لاکھوں ٹن کوئلہ برآمد ہوتا ہے۔ پہاڑی درخت ساگون بہ کثرت پیدا ہوتے ہیں جن سے بہت زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ علاوہ میوہ دار درختوں کے ببول کی پیداوار بھی بہ کثرت ہوتی ہے۔ یہ صوبہ کپاس کی تجارت کا مرکز تصور کیا جاتا ہے جس کے خاص مراکز یہ ہیں۔ اکولہ۔ کھام گاؤں۔ کارنجہ امراؤتی۔ ملکاپور۔ شیگاؤں۔ اس میں چار ضلع ہیں اور بائیس تعقلجات۔ دو کروڑ روپیہ سالانہ کی آمدنی کہی جاتی ہے۔

سنہ ۱۸۷۶ء میں سر سالار جنگ بہادر ملکہ وکٹوریہ فرماں روا برطانیہ کی خدمت میں بہ حصول ملاقات انگلستان گئے لیکن بڑا مقصد یہی تھا کہ واپسی برار کی استدعا کریں لیکن بے نیل و مرام واپس آئے سر علی امام نے واپسی برار کے مسئلہ میں تین سال کوشش کی۔ ولایت بھی گئے۔ ان کی معرکتہ الآرا خط و کتابت بھی اسی مسئلہ میں یادگار رہیگی۔ لیکن لارڈ ریڈنگ وائسرائے بہادر نے جو جواب دیا تھا وہ بھی بطور یادگار رہیگا۔ مسٹر ولفرڈ سکاون بلنٹ انگریزی مورخ کی حیثیت سے ایک جگہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس ناٹک کا تیسرا باب، یعنی ملک کا الحاق حیدر آباد کے حق میں شروع ہوگیا تھا۔ کیونکہ سنہ ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے نظام کے زرخیز بڑے صوبہ برار پر ایک دوسری برطانوی سپاہ کی تنخواہ کے سلسلہ میں قبضہ جما لیا۔ یہ فوج پچاس برس تک فضول اس ملک کے سرمنڈھ دی گئی تھی۔" اسکے علاوہ پانیر میں اپریل سنہ ۱۹۲۶ء میں ایک خاص مضمون نکلا تھا جس کے یہ الفاظ ہیں۔ اور جن سے لارڈ ریڈنگ کے جواب کی کہ برار بطیب خاطر دولتِ برطانیہ کے سپرد کیا گیا تھا خود بخود تردید ہو جاتی ہے۔

پانیر الہ آباد لکھتا ہے کہ سنہ ۱۸۵۳ء کے عہدنامہ پر سنہ ۱۸۶۰ء میں، نظر ثانی ہوئی تھی جس کی رو سے اضلاع مفوضہ کینجٹ (یعنی برار کا علاقہ) اور عہدنامہ کے بیان کئے ہوئے دیگر اخراجات کی ادائیگی کے لئے امانت کے طور پر قبضہ میں رہنے قرار پائے۔ امانت کے لفظ نے سب کچھ، طے کر دیا۔ جس وجہ کے ساتھ امانت رکھی گئی تھی وہ وجہ ختم ہوگئی تو امانت کی واپسی شرط ہے۔

جغرافیائی حالات

ملک دکن

دولتِ آصفیہ کے ممالک محروسہ کا رقبہ ۸۲۹۶۸ مربع میل ہے جو انگلستان و ویلز کے مجموعی رقبہ سے زائد ہوگا۔ حیدرآباد کا؛ علاقہ سمندر کی سطح سے ۱۲۵۰ فیٹ بلند ہے۔ ریاست میں جابجا ایسے پہاڑ موجود ہیں جن کی چوٹیاں ۳½ ہزار فٹ بلند ہیں۔ ریاست دو، مساوی حصوں پر منقسم ہے۔ مغرب و شمال کی طرف پہاڑ اور چٹانیں ہیں۔ جنوب و مغرب میں پتھر۔ ایک طرف پہاڑی اونچی چوٹیاں۔ چشمے عمیق وادیاں اور کئی قسم کی لکڑی کے جنگل و دلکش مناظر ہیں۔ جنوب

و مشرق کی طرف نیارنگ ہے - خشک پہاڑ - درختوں و سبزی کا نام نہیں - چشمے رتیلے اور ایسے کہ جلد سوکھ جائیں - لیکن یہاں کی زمین زرخیز ہے - صحیح معنوں میں اس زمین کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ سونا اگلتی ہے -

قارون کا خزانہ اس ریاست کے سامنے کیا وقعت رکھتا! اس میں ہیرے اور یاقوت نہاں ہیں - سنگ مرمر اور ابرق کی بہ کثرت پیداوار ہے - کوئلہ کی کانیں ہیں - علاوہ ان چیزوں کے چھوٹے بڑے بہ کثرت دریا ہیں مگر دریائے ماجرا اس کی جان سمجھئے وسط میں ہے - پن گنگا - گوداوری - تنگ بھدرا و کرشنا چاروں طرف سے ریاست کی محافظت کر رہے ہیں - آبادی بہ لحاظ مردم شماری ۱۹۲۱ء کے کل ریاست حیدرآباد کی ۱۲۴۷۱۷۷۰ تھی - ریاست کے شمالی و مغربی حصہ میں مرہٹوں کی آبادی ہے - جنوب و مشرق میں تلنگوں کی - اور خاص سمت جنوبی میں کنڑی - باشندگان ریاست مختلف پیشوں سے بسر کرتے ہیں جن میں کاشت - صنعت و حرفت، تجارت - ملازمت - فقیر وغیرہ - بہ لحاظ پیشہ اسی طرح باشندوں کی تقسیم ہے - سب سے بڑا ذریعہ معاش کاشت ہے اور اس کے بعد صنعت - اس کے بعد تجارت اور اس کے بعد ملازمت - ریاست کی آمدنی کے بڑے سررشتہ چار ہیں - سررشتہ مال - کڑوڑگیری (چنگی) آبکاری - رجسٹریشن - انکی آمدنی کی تفصیل یہ ہے -

مال سے ۳۵۰۰۰۰۰ سالانہ - چنگی سے ۱۵۵۰۰۰۰۰ سالانہ - آبکاری سے ۱۶۰۰۰۰۰ کے قریب سالانہ - رجسٹریشن سے ۲۵۰۰۰۰ سالانہ ان کے علاوہ بھی ریلوے - معدنیات - جنگلات - نہروں و ڈاکخانوں کی آمدنی ہے - اعلحضرت کی تخت نشینی کے وقت ریاست کی آمدنی ......۵ کروڑ تھی اور اب بفضلہ ۷۵۰۰۰۰۰ ہے - الحمد للہ

زراعت پیشہ اشخاص کی تعداد ۱۹۱۲ء میں ۹۷۸۲۰۳ تھی اور اب تقریباً ۱۲۰۰۰۰۰ ہے - نسبتاً دیگر ہندوستانی طبقوں کے یہاں مالگزاری بہت کم ہے - نہ دیگر مقامات کی طرح یہاں کاشتکاروں پر زیادہ سختی کی جاتی ہے - بلکہ یہ بھی طریقہ ایسا ہے جس کو دولت نظامیہ کی خصوصیات میں کہا جا سکتا ہے - اعلحضرت کے مسند آرائے حکومت ہوتے وقت چنگی کی آمدنی ۷۴۴۲۷۰۲ روپیہ تھی - لیکن اب دور عثمانی میں ترقی کرتے کرتے ۱۵۵۰۰۰۰۰ ہو گئی ہے - دور عثمانی میں تجارت کی تعداد پہلے کی نسبت ڈہائی گنا زیادہ ہو گئی ہے

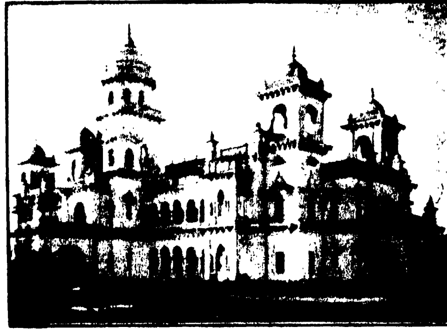
زراعت کی آبپاشی کے لئے دولت آصفیہ میں چار نہریں بہت بڑی بڑی ہیں - جن کا مجموعی طول ۱۱۰۰ میل سے زائد ہے - محبوب نہر، آصف نہر - گنگا وتی نہر - بیچل نہر - علاوہ ان کے سترہ ہزار تالاب ہیں - ان کا پانی بھی ندیوں اور نالوں سے روکا گیا ہے - جس سے آبپاشی ہوتی ہے - بڑے بڑے تالابوں کے نام یہ ہیں - پاکھال، جھیل رامپانہ - لکھا دارم - حسین ساگر - میر عالم - عثمان ساگر - نظام ساگر - حمایت ساگر -

حسین ساگر کا محیط گیارہ میل ہے - اس کے مناظر بڑے دلکش ہیں - نیچر کے دلدادہ اس کی سینریوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں - دو میل تک اس تالاب کے کنارے کنارے ایک سیدھی سڑک چلی گئی ہے جو چھاونی سکندرآباد کو حیدرآباد کے قریب کرتی ہے - ابراہیم قطب شاہ نے اس تالاب کا پشتہ تین لاکھ روپیہ سے بنوایا ہے - قسم قسم کی خوبصورت کشتیاں تالاب میں سیر کرنے کے لئے پڑی ہوئی ہیں - برف بنانے - تیل نکالنے - آٹا پیسنے - کپڑا بننے کے کارخانے اس پشتہ کے نیچے بنے ہوئے ہیں - نلوں کے ذریعہ رزیڈنسی اور چادرگھاٹ کو یہیں سے پانی جاتا ہے -

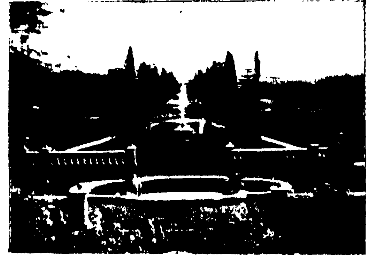
حیدرآباد کے جانب شمال ایوان خاص کا بڑا پھاٹک ہے - سنگ مرمر کی بتیس سیڑھیاں ہیں - نیچے کی سیڑھی ساٹھ قدم لمبی ہے ایوان خاص کے کمروں میں اعلیٰ درجہ کا فرنیچر اور نہایت بیش قیمت سامان سجایا گیا ہے - ایوان خاص قابل دید ہے - اس کی صفائی سے، بلاشبہ شک ہوتا ہے کہ دیواریں شیشہ کی ہیں - باغ عامہ چادرگھاٹ میں نہایت اعلیٰ قسم کے ماہرین فن کا نمونہ ہے - بہت بڑی جگہ گھیرے ہوئے ہے - شہر اور باہر کے سیاح و مسافر لوگ شام کو جوق در جوق اسمیں تفریح طبع کی غرض سے آتے اور حظ اٹھاتے ہیں - ہفتہ میں دو مرتبہ اعلیٰ ترین بینڈ بجتا ہے - اس کی روشیں نہایت شفاف ہیں - سینکڑوں لوہے کی بنچیں پڑی ہوئی ہیں - عجیب چہل پہل رہتی ہے - حیدرآباد میں یہ جگہ بھی شام کے وقت دیکھنے کا مقام ہے - سر سالار جنگ اول نے اس باغ کو لگوایا تھا - بشیر باغ تقریباً بارہ لاکھ روپیہ سے بنوایا گیا ہے اسکا

حیدرآباد دکن کی چند مشہور عمارتیں

ٹاؤن ہال باغ عامہ



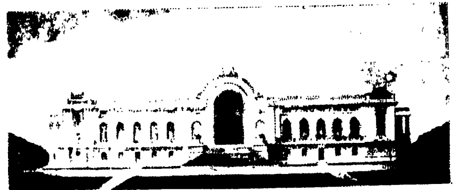
عثمانیہ پارک



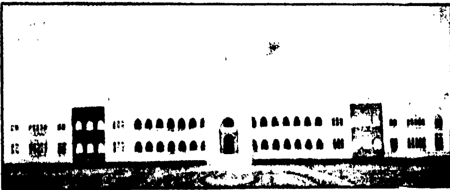
عدالت العثمانیہ



عثمانیہ اسٹیٹ لائبریری



یونانی ہسپتال



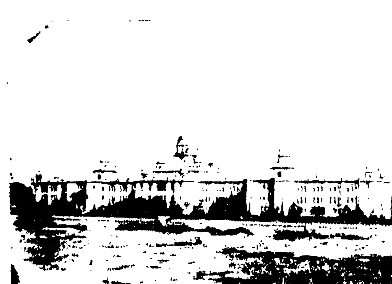
عثمانیہ یونیورسٹی کانو و کیشن



عثمانیہ ہسپتال کا سرجیکل وارڈ



عثمانیہ [illegible] ہسپتال



عثمان ساگر



دروازہ نہایت خوبصورت ہے اور دیکھنے کے قابل ہے۔ اسمیں ایک اعلیٰ ترین محل ہے جسکے کمرے انکو لاکھوں روپیہ کے قیمتی سامان سے آراستہ کیا گیا ہے۔ کاشانی مخملی و زرین فرش ہیں۔ قیمتی تصاویر۔ حلبی بڑے بڑے آئینہ۔ غرضیکہ محل مغربی تہذیب کا نمونہ ہے۔ اسی محل کے اندر وہ گھڑی رکھی ہوئی ہے جسمیں گھڑی کے موجدین کی شکلیں بنائی گئی ہیں۔ حیدرآباد سے بجانب جنوب ایک چھوٹی سی پہاڑی کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ اس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جو حیدرآباد کیا بلکہ تمام ہندوستان میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ قسطنطنیہ۔ طہران۔ اصفہان۔ مصر۔ وائنا۔ پیرس۔ لندن و ہندوستان کے قابل قدر کاریگروں کی صناعی کا نمونہ ہے اور یہی صورت اسکے لاکھوں روپیہ کے قیمتی اشیاء کی ہے۔ یہ عمارت "محل فلک نما" کے نام سے مشہور ہے۔ نواب وقارالامراء اقبال الدولہ برادر نواب خورشید جاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنی فیاضیوں کیوجہ سے جب بزمانہ مدار المہامی خرچ زیادہ ہوگیا تھا تو اس محل کو حضور نظام کے ہاتھ پچاس لاکھ روپیہ میں فروخت کر دیا۔ اس کی منزلت و رفعت کا اندازہ اور تعریف بغیر دیکھے کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ پرنس آف ویلز ولیعہد برطانیہ جب حیدرآباد تشریف لائے ہیں اور دولت نظامیہ کے مہمان ہوئے ہیں تو اسی محل میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بوجہ سادگی حضور اعلیحضرت کی توجہ اس محل کی طرف خصوصیت کے ساتھ جیسی اسمیں خوبیاں ہیں مبذول نہیں۔ جو انتظام اور اہتمام نواب وقارالامراء کے زمانہ میں تھا وہ نہیں۔ ایکمرتبہ ایک سیاح جب اسکو دیکھنے کے لئے آیا تو اس وقت ایک عرب سنتری جو طبعاً ذرا ظریف تھا دروازہ پر پہرہ دے رہا تھا۔ اُسنے سیاح کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ محل دنیا میں جنت ہے مگر انتظام دوزخیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس محل کے اوپر سے "میر عالم کا تالاب" خوب بھلا معلوم ہوتا ہے اور اسکے قدرتی مناظر کا نظارہ نہایت دلفریب و دلکش ہوتا ہے۔ یہ تالاب حیدرآباد کے مشہور سپہ سالار اور مدار المہام میر عالم کی یادگار ہے۔ اسکے پشتے کی تعمیر ۱۸۰۹ء سے لیکر ۱۸۳۲ء تک ہوتی رہی اور اس پر ۲۲ لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ بکثرت برقی و خانی کشتیاں اس تالاب میں پڑی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی خود اعلیحضرت اور امراء عالی مقام سیر کرنیکے لئے یہاں تشریف لاکر دل بہلایا کرتے ہیں۔ تمام شہر کے اندر پانی اسی تالاب سے جاتا ہے۔ یورپ سے آنیوالے سیاح اس تالاب کی سینری اور دلکشی دیکھکر بہت مسرور ہوتے ہیں۔ اسکا رقبہ ۵۰۰۰ ، ۳ ، ۱۰ مکعب گز ہے۔

ریاست حیدرآباد کے اندر ایک عمارت "قلعہ گولکنڈہ" بھی مشہور ترین اور عجائبات میں سے ہے۔ یہ قلعہ دو ہزار سال کی یادگار ہے۔ اس قلعہ کو راجہ ورنگل نے بہمنی بادشاہ کو نذر کیا تھا۔ اسکے بعد یہ قلعہ قطب شاہیوں کا مستقر رہا۔ اسکی ابتدائی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ حیدرآباد سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقدس پہاڑ ہے جو "مولیٰ علی کا پہاڑ" مشہور ہے۔ سطح سمندر سے اسکی اونچائی ۲۰۱۷ فٹ ہے۔ یہ پہاڑ ٹھنڈا رہتا ہے اور یہاں کی سکونت سے صحت جسمانی نہایت عمدہ رہتی ہے۔ آب و ہوا خوب ہے۔ دلچسپ مناظر اور پر فضا مقامات بکثرت ہیں۔ انسان کیسا ہی پژمردہ دل ہو یہاں آکر بشاش اور مسرور نظر آنے لگتا ہے۔ حضور نظام و امرائے عالی مقام بغرض تبدیل آب و ہوا اکثر اس پہاڑ پر تشریف لایا کرتے ہیں۔ رجب کے مہینہ میں یہاں ایک میلہ ہوا کرتا ہے جسمیں ڈیوڑھی خاص و بیگمات و رؤسا و امراء کی طرف سے مزعفر و پلاؤ و زردہ وغیرہ کی دیگیں پکتی ہیں اور غرباء و مساکین کو تقسیم ہوتی ہیں۔ نیز تمام لوگ چھوٹے اور بڑے غریب اور امیر اس کھانے کو فاتحہ کا کھانا سمجھکر بطور تبرک شوق سے کھاتے ہیں۔ واپسی میلہ کے وقت سب لوگ حضور نظام کے حق میں دعاء خیر مانگتے ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ سے اسوقت تک ہر سال یہ میلہ اسی طرح ہوتا چلا آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مقام بھی حیدرآباد میں قابل دید ہے اور تاریخی نظر سے بھی ایک عجیب و غریب جگہ۔ علاوہ ان مقامات کے حیدرآباد اب بحیثیت موجودہ کچھ کم دیدہ زیب نہیں۔ حضور نظام کی وسیع النظری اور دور رس طبیعت نے حیدرآباد کو خطۂ جنت بنا رکھا ہے۔ ہندوستان کے اندر دوسرے درجہ کے شہروں سے حیدرآباد کا معیار شہریت بہت بلند ہے۔

آخر میں ہم اس مختصر اور جامع تاریخ دکن کا اختتام خود حضور نظام عالی مقام کے فقرات دعائیہ پر کرتے ہیں جو حضور نے اپنی تقریر دلپذیر کے خاتمہ پر مورخہ ۲۹ رجب ۱۳۴۲ھ کو بمقام حیدرآباد فرمائی تھی۔ خدا اس ریاست کو دنیا کے شر و فساد سے محفوظ رکھے اور روز افزوں ترقی و سرسبزی نصیب ہو۔ دوست شاد اور سرخرو رہیں اور بدخواہ ناشاد و سیاہ رو۔ (آمین)

کل کی بات

اگر یہ کل حالات و واقعات جو ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائے دیرینہ ہو چکے ہیں تو کل ہی کا واقعہ ہے کہ اعلحضرت حضور پر نور نے سلطنت برطانیہ کے سب سے نازک اور اہم موقع یعنی گول میز کانفرنس کے کامیاب بنانے میں کیا کچھ سعی نہیں فرمائی ورنہ اسکا منعقد ہونا ہی محال تھا۔ لارڈ ہارڈنگ سابق والسرائے ہند جو آجکل بغرض تفریح ہندوستان تشریف لائے ہوئے ہیں اور جا بجا سیر فرما رہے ہیں ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں حیدر آباد تشریف لے گئے اور مملکت دکن کی حالت تیسری بار بچشم خود ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ "جنگ عظیم میں جو بے بدل امداد حضور نے دی ہے یعنی علاوہ فوجی امداد کے جو خاتمہ جنگ تک برابر جاری رہی اور جس کا صرف ڈیڑہ کرور تھا۔ غوطہ خور کشتیاں۔ ہوائی جہاز۔ مسلح گاڑیاں۔ اسلحہ۔ سامان بار برداری اور لاتعداد زر نقد سے امداد ہوئی تھی۔ جنگ عظیم سے قبل بھی پانچ انتہائی اہم مواقع مثل (۱) ٹیپو سلطان کی جنگ (۲) مرہٹہ سرداروں سے جنگ (۳) پنڈاروں سے جنگ (۴) غدر ۱۸۵۷ء (۵) جنگ ترکی یہ سب ہی میں بے مثل امداد رہی ہے۔ یہ امر خاص طور پر مسرت بخش ہے کہ ریاست حیدر آباد نے حضور کے زیر نگیں نہ صرف مالی اور تعلیمی حالت ہی میں ترقی کی ہے بلکہ اسکا ہر شعبہ مثل محکمہ آثار قدیمہ۔ آبپاشی۔ تجارت صنعت و حرفت۔ انجمن ہائے اتحادی۔ آرائش بلدہ۔ ریلوے وغیرہ وغیرہ سب میں نمایاں ترقی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جملہ ۸ کرور ۷ لاکھ کی مجموعی مصارف کے ۱۸ لاکھ کی گرانقدر رقم محض تعلیمات کیلئے مخصوص ہے۔"

مملکت دکن کے قابل ترین افسر یعنی سر اکبر حیدری جو حیدر آباد کیطرف سے گول میز کانفرنس کی شرکت کی غرض سے لندن تشریف لے گئے تھے اور جنھوں نے ماہ دسمبر میں وہاں کے بڑے بڑے ذمہ دار و مدبرین سلطنت کو ڈنر پر مدعو کیا تھا اس موقع پر بھی ان ذمہ دار و مدبرین سلطنت برطانیہ نے سلطنت دکن و تاجدار دکن کی تعریف و توصیف میں سب ہی کچھ اقرار کیا ہے۔

لیکن

واپسی برار کا کہیں ذکر تک نہیں۔ مسلمانان ہند جنھوں نے اٹھارہویں صدی میں سلطنت کھوئی اور اگر یہی لیل و نہار ہیں تو اسی انیسویں صدی میں جبکہ ہندوستان میں نیا دور ہوگا مسلمانوں کا تمدن بھی غارت ہو جائے گا اور تمدن غارت ہو کر خدانخواستہ قوم کی قوم غارت ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسوقت مسلمان قوم کے تمدن یا بہ الفاظ دگر اس کی بقا کا انحصار مملکت دکن کی ترقی و خوشحالی پر منحصر ہے اور اسکے لفظی نہیں بلکہ عملی گارنٹی کی ضرورت ہے۔ جس کی پہلی قسط، صرف واپسی برار ہے۔

اڈیٹر

دکن کی بات

اگر یہ کل حالات و واقعات جو ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائے دیرینہ ہو چکے ہیں تو کل ہی کا واقعہ ہے کہ اعلحضرت حضور پر نور نے سلطنت برطانیہ کے سب سے نازک اور اہم موقع یعنی گول میز کانفرنس کے کامیاب بنانے میں کیا کچھ سعی نہیں فرمائی ورنہ اسکا منعقد ہونا ہی محال تھا۔ لارڈ ہارڈنگ سابق وائسرائے ہند جو آجکل بغرض تفریح ہندوستان تشریف لائے ہوئے ہیں اور جابجا سیر فرما رہے ہیں ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں حیدرآباد تشریف لے گئے اور مملکت دکن کی حالت تیسری بار بچشم خود ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ "جنگ عظیم میں جو بے بدل امداد حضور نے دی ہے یعنی علاوہ فوجی امداد کے جو خاتمہ جنگ تک برابر جاری رہی اور جس کا صرف ڈیڑھ کروڑ تھا۔ غوطہ خور کشتیاں۔ ہوائی جہاز۔ مسلح گاڑیاں۔ اسلحہ۔ سامان بار برداری اور لاتعداد زر نقد سے امداد ہوتی تھی۔ جنگ عظیم سے قبل بھی پانچ انتہائی اہم مواقع مثل (۱) ٹیپو سلطان کی جنگ (۲) مرہٹہ سرداروں سے جنگ (۳) پنڈاروں سے جنگ (۴) غدر ۱۸۵۷ء (۵) جنگ ترکی سب ہی میں بے مثل امداد رہی ہے۔ یہ امر خاص طور پر مسرت بخش ہے کہ ریاست حیدرآباد نے حضور کے زیر نگیں نہ صرف مالی اور تعلیمی حالت ہی میں ترقی کی بلکہ اسکا ہر شعبہ مثل محکمہ آثار قدیمہ۔ آبپاشی۔ تجارت صنعت و حرفت۔ انجمن ہائے اتحادی۔ آرائش بلدہ۔ ریلوے وغیرہ وغیرہ سب میں نمایاں ترقی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ جملہ ۸ کروڑ ۷ لاکھ کی مجموعی مصارف کے ۱۸ لاکھ کی گرانقدر رقم محض تعلیمات کیلئے مخصوص ہے۔"

مملکت دکن کے قابل ترین افسر یعنی سر اکبر حیدری جو حیدرآباد کیطرف سے گول میز کانفرنس کی شرکت کی غرض سے لندن تشریف لے گئے تھے اور جنھوں نے ماہ دسمبر میں وہاں کے بڑے بڑے ذمہ دار و مدبرین سلطنت کو ڈنر پر مدعو کیا تھا اس موقع پر بھی ان ذمہ دار و مدبرین سلطنت برطانیہ نے سلطنت دکن و تاجدار دکن کی توصیف و توصیف میں سب ہی کچھ اقرار کیا ہے۔

لیکن

واپسی برار کا کہیں ذکر تک نہیں۔ مسلمانان ہند جنھوں نے اٹھارہویں صدی میں سلطنت کھوئی اور اگر یہی لیل و نہار ہیں تو اسی انیسویں صدی میں جبکہ ہندوستان میں نیا دور ہوگا مسلمانوں کا تمدن بھی غارت ہو جائے گا اور تمدن غارت ہو کر خدا نخواستہ قوم کی قوم غارت ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسوقت مسلمان قوم کے تمدن یا بہ الفاظ دگر اس کی بقا کا انحصار مملکت دکن کی ترقی و خوشحالی پر منحصر ہے اور اسکے لفظی نہیں بلکہ عملی گارنٹی کی ضرورت ہے۔ جس کی پہلی قسط صرف واپسی برار ہے۔

اڈیٹر

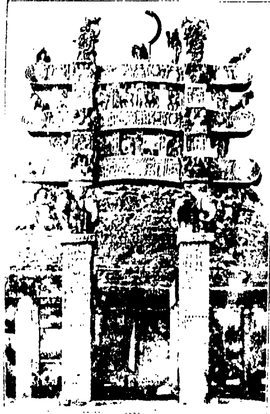
مسجد قطب شاہی



اجنتا کیو



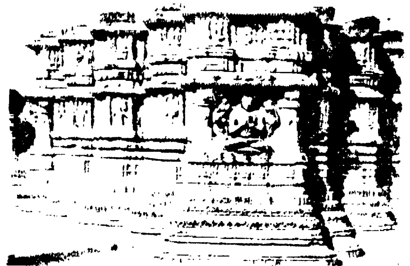
سانچی



مکہ مسجد حیدرآباد دکن

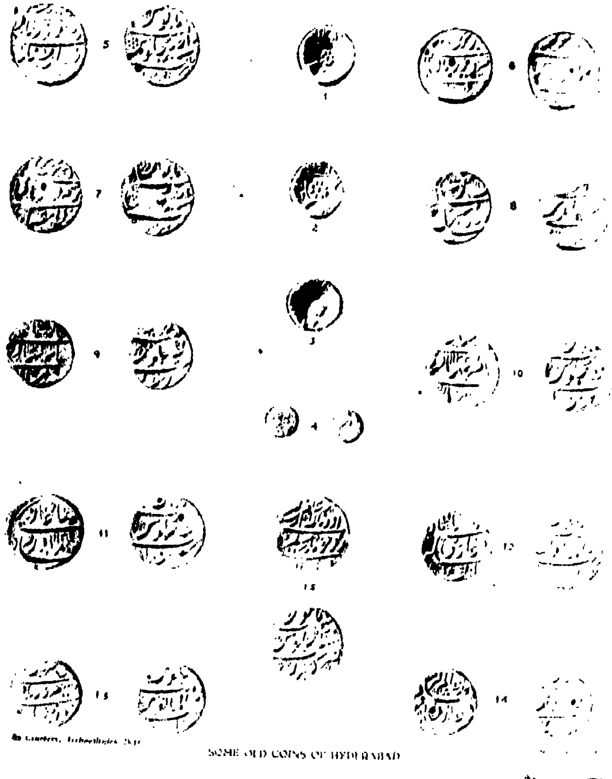


تعلقہ اورنگ آباد کا مشہور اوکندھا مندر کا منظر



مملکت دکن کے چند پرانے سکہ جات

PICTORIAL HYDERABAD



SOME OLD COINS OF HYDERABAD

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

کوئی کہتا ہے تجھے حاتم کوئی نوشیرواں ‖ کوئی کہتا ہے تجھی کسریٰ کوئی صاحبقراں
کوئی کہتا ہے فریدوں اور کوئی دارا تجھے ‖ کوئی کہتا ہے سکندر کوئی خاقانِ جہاں
لیکن اے ذاتِ گرامی کچھ خبر بھی ہے تجھے ‖ تجھکو کیا کہتے ہیں ان اطراف کے یہ خادماں
تجھکو کہتے ہیں ہم اپنا رہبر و فریادرس ‖ تجھکو کہتی ہیں ہم اپنے سارے گلہ کا شباں
جانتے ہیں ہم تجھی کو ہر مرض کا ایک علاج ‖ ہم سمجھتے ہیں تجھی کو چارہ سازِ بیکساں
خطرہ ہائے موجِ دریا سے نہیں دلکو ہراس ‖ کشتیٔ اُمت کا لنگر بھی ہے تو اور بادباں
انتہائے پاسداری کی کہ اس آشوب میں ‖ بنگیا تو غمزدوں کے گھر کا آخر پاسباں

اے کہ پنہاں از نگاہم کعبہ چوں اندر غلاف
پردہ رابکشا و بنما جلوہ حسن نہاں

(سرگزشت)

خاورِ اسلام

خاورِ اسلام ہر گوشے میں تیرا نور ہے

مسجدوں میں مندروں میں   خانقاہوں مقبروں میں   کالجوں میں مدرسوں میں   دشت و دریا گلشنوں میں
بیکسوں میں منعموں میں،   قصرِ شاہی میں گھروں میں   گمرہوں میں رہبروں میں   بے زروں میں بے پروں میں
ہند کیا بغداد و ایراں   مصر و یورپ عربستاں

ذرہ ذرہ حسنِ عالمتاب سے معمور ہے
خاورِ اسلام ہر گوشے میں تیرا نور ہے

بزم ہی بدلی ہوئی ہے   روشنی پھیلی ہوئی ہے   چاندنی چٹکی ہوئی ہے   ہر کلی ہنستی ہوئی ہے
نہر سی نکلی ہوئی ہے   چار جانب بہ رہی ہے   آبیاری ہو رہی ہے   واہ کیا دریا دلی ہے
پتہ پتہ سبز و شاداں   چپہ چپہ تہنیت خواں

باخدا لاریب فخرِ قیصر و فغفور ہے
خاورِ اسلام ہر گوشے میں تیرا نور ہے

اے "غنی عثماں" طبیعت   باعثِ فیضانِ رحمت   مشعلِ راہِ ہدایت   منبعِ جود و سخاوت
بے تعصب با مروت   بے ریا و با محبت   بے عدیل و با شریعت   بے مثال و با طریقت
روز افزوں ہوں ضیائیں   آگے پیچھے دائیں بائیں،

اس سیہ خانہ میں اک تو ہی چراغِ طور ہے
خاورِ اسلام ہر گوشے میں تیرا نور ہے

نشترؔ بلرامی

انصاف ہی خدا کا۔ عدالت نظام کی

ممتاز شان پایۂ شوکت نظام کی،
ہے آسمان اوج ہیں رفعت نظام کی

پابند حکم شرع۔ حکومت نظام کی
انصاف ہی خدا کا۔ عدالت نظام کی

شایان فخر و ناز سخاوت نظام کی
ہی چشم انتخاب میں صورت نظام کی

خلق محمدی ہی ازل سے شعار طبع
اپنی مثال آپ ہی ثروت نظام کی

حاتم کو کس کے فیض نے حاتم بنا دیا
کچھ ہاتھ لگ گئی تھی سخاوت نظام کی

دیکھیں بچشم رشک سلاطین ما سلف
ہو جائے جس گدا پہ عنایت نظام کی

مقبول خاص و عام دو عالم میں نیکنام
از فرش تا بہ عرش ہی شہرت نظام کی

دنیا کیساتھ دولت عقبیٰ بھی ہی نصیب
پیش خدا ہی آج بہ عزت نظام کی

امکان دست و بازوئے ممدوح الامان
قدرت کیساتھ ساتھ ہی قدرت نظام کی

ہر سجدۂ خلوص۔ پسند خدائے پاک
مقبول بارگاہ۔ عبادت نظام کی

جاری ہی فیض عام۔ یہاں آئیں تشنہ کام
سرچشمۂ حیات ہے خلقت نظام کی

جود و کرم سے فیض ہے ہر درسگاہ کو
صرف نظام خیر ہے دولت نظام کی

گھر گھر۔ بیان قصۂ احسان بیحساب،
دنیا کی ہے زبان۔ حکایت نظام کی

دس لاکھ کا عطیہ علی گڑھ کو دے دیا
یہ دل۔ یہ حوصلہ۔ یہ سخاوت نظام کی

تا دور مہر و ماہ۔ ترقی پذیر ہو،
مسعود۔ عمر و دولت و ثروت نظام کی

سید مسعود حسین مسعود۔ بی۔ اے علیگ ڈپٹی مجسٹریٹ۔ گونڈہ

بساطِ شکریہ عطیہ بندگان عالی نظام

۳۰　۶　۱۹

مربع یادگار بصنعت ترصیع

۳۰　۶　۱۹

باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن
ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا
بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن
جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا
گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن
زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا
مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن
شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا

۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء ۱۹۳۰ء

صراحت ضروری

(۱) اس مربع کی پہلی سطر میں آٹھ الفاظ ہیں جن سے بہ صنعت ترصیع ایک مطلع دہنے سے بائیں اور دوسرا بائیں سے دہنے کو رخ کی چال میں بنتا ہے مثلاً

باب عطا۔ ناز زمن۔ بلبل نوا۔ جان سخن ⁖ گلگوں قبا۔ زیب چمن۔ مسجد ولا۔ شاہ دکن

شاہ دکن۔ مسجد ولا۔ زیب چمن۔ گلگوں قبا ⁖ جان سخن۔ بلبل نوا۔ ناز زمن۔ باب عطا

(۲) اس طرح ہر سطر میں بہ صنعت ترصیع ایک مطلع دہنے سے بائیں کو اور دوسرا بائیں سے دہنے کو پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اوپر سے نیچے کو ہر خانہ سے رخ کی چال میں ایک مطلع بنتا ہے۔

(۴) نیچے سے اوپر کو ہر خانہ سے رخ کی چال میں ایک ایک مطلع بنتا ہے مثلاً

ناز زمن۔ بلبل نوا۔ جان سخن۔ گلگوں قبا ⁖ زیب چمن۔ مسجد ولا۔ شاہ دکن۔ باب عطا

باب عطا۔ شاہ دکن۔ مسجد ولا۔ زیب چمن ⁖ گلگوں قبا۔ جان سخن۔ بلبل نوا۔ ناز زمن

(۵) خواہ کسی خانہ سے رخ کی چال میں دہنے سے بائیں کو یا بائیں سے دہنے کو۔ اوپر سے نیچے کو یا نیچے سے اوپر کو چلا جائے تو برابر والے خانہ پر مطلع پیدا ہو کر ختم ہوتا ہے۔ مثلاً پہلی و دوسری سطر میں

باب عطا۔ ناز زمن۔ بلبل نوا۔ جان سخن ⁖ گلگوں قبا۔ زیب چمن۔ مسجد ولا۔ شاہ دکن

باب عطا۔ شاہ دکن۔ مسجد ولا۔ زیب چمن ⁖ گلگوں قبا۔ جان سخن۔ بلبل نوا۔ ناز زمن

(۶) مختلف خانوں سے دہنے بائیں زیر و بالا ہر طرف سے مطلع شروع ہو کر برابر کے خانہ میں ختم ہوتا ہے چونکہ دہنے بائیں کو آٹھ مطلع بالا سے زیر کو آٹھ مطلع۔ زیر سے بالا کی طرف آٹھ مطلع کل ۳۲ مطلع ہوتے ہیں اور مختلف خانوں سے ۸×۸=۶۴ مطلع دہنے سے بائیں کو اور بائیں سے دہنے اور ۸×۸=۶۴ مطلعے تحت سے فوق اور فوق سے تحت کو بنتے ہیں۔ اسلئے کل تعداد مطلعوں کی ۳۲+۶۴+۶۴=۱۶۰ ہوتی ہے اور ہر مطلع حامل تاریخ عیسوی ہے۔ اس لئے اس مربع سے ۱۶۰ تاریخیں پیدا ہوتی ہیں۔

عاصی مرزا احمد شاہ بیگ جوہر مراد آبادی۔ امان گاہ محلہ مفتی ٹولہ شہر مراد

۱۹　۶　۳۰　　۱۳　۵　۴۸

(نوٹ) یہ مضمون ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا ہے۔ اڈیٹر

بساطِ شکریۂ عطیہ بندگان عالی نظام

مربع یادگار بصنعت ترصیع

۳۰ ۶ ۱۹

باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن
ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا
بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن
جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا
گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن
زیب چمن	مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا
مسجد ولا	شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن
شاہ دکن	باب عطا	ناز زمن	بلبل نوا	جان سخن	گلگوں قبا	زیب چمن	مسجد ولا

۱۹۳۰ ۱۹۳۰ ۱۹۳۰ ۱۹۳۰ ۱۹۳۰ ۱۹۳۰ ۱۹۳۰ ۱۹۳۰

صراحت ضروری

(۱) اس مربع کی پہلی سطر میں اوّل سے آخر تک بصنعت ترصیع ایک
مطلع دہنے سے بائیں اور دوسرا بائیں سے دہنے کو رخ کی چال میں بنتا ہے مثلاً
باب عطا۔ ناز زمن۔ بلبل نوا۔ جان سخن ⁂ گلگوں قبا۔ زیب چمن۔ مسجد ولا۔ شاہ دکن
شاہ دکن۔ مسجد ولا۔ زیب چمن۔ گلگوں قبا ⁂ جان سخن۔ بلبل نوا۔ ناز زمن۔ باب عطا

(۲) اسی طرح ہر سطر میں بصنعت ترصیع ایک مطلع دہنے سے بائیں کو اور دوسرا
بائیں سے دہنے کو پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اوپر سے نیچے کو ہر خانہ سے رخ کی چال میں ایک مطلع بنتا ہے۔

(۴) نیچے سے اوپر کو ہر خانہ سے رخ کی چال میں ایک ایک مطلع بنتا ہے مثلاً
ناز زمن۔ بلبل نوا۔ جان سخن۔ گلگوں قبا ⁂ زیب چمن۔ مسجد ولا۔ شاہ دکن۔ باب عطا
باب عطا۔ شاہ دکن۔ مسجد ولا۔ زیب چمن ⁂ گلگوں قبا۔ جان سخن۔ بلبل نوا۔ ناز زمن

(۵) خواہ کسی خانہ سے رخ کی چال میں دہنے سے بائیں کو یا بائیں سے
دہنے کو اور پر سے نیچے کو یا نیچے سے اوپر کو چلا جائے تو برابر والے خانہ پر
[illegible] مطلع ختم ہوگا [illegible] سطر میں
باب عطا۔ ناز زمن۔ بلبل نوا۔ جان سخن ⁂ گلگوں قبا۔ زیب چمن۔ مسجد ولا۔ شاہ دکن
باب عطا۔ شاہ دکن۔ مسجد ولا۔ زیب چمن ⁂ گلگوں قبا۔ جان سخن۔ بلبل نوا۔ ناز زمن

(۶) مختلف خانوں سے دہنے بائیں زیر و بالا ہر طرف سے مطلع شروع ہو کر برابر کے خانہ پر
ختم ہوتا ہے چونکہ دہنے بائیں کو آٹھ مطلع یا اسی زیر کو آٹھ مطلع۔ زیر کو بالا کی طرف آٹھ مطلع
کل ۳۲ مطلع ہوتے ہیں اور مختلف خانوں سے ۸×۸ = ۶۴ مطلع دہنے سے بائیں کو اور بائیں سے
دہنے اور ۸×۸ = ۶۴ مطلعے تحت سے فوق اور فوق سے تحت کو بنتے ہیں۔ اصلی کل تعداد
مطلعوں کی ۳۲ + ۶۴ + ۶۴ = ۱۶۰ ہوتی ہے اور ہر مطلع حامل تاریخ عیسوی ہے
اس لئے اس مربع سے ۱۶۰ تاریخیں پیدا ہوتی ہیں۔

عاصی مرزا احمد شاہ بیگ جوہر مراد آبادی۔ امان گاہ محلہ مفتی ٹولہ شہر مراد

۱۹ ۶ ۳۰ ۱۳ ۵ ۴۸

(نوٹ) یہ مضمون ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا ہے۔ اڈیٹر

نواب میرشجاعت علی خاں معظم جاہ
بہادر شاہزادہ دویم



نواب میرحمایت علیخاں نواب اعظم جاہ
بہادر ولیعہد سلطنت حیدرآباد



نواب لطیف الدولہ بہادر نواب ا... جنگ
صدرالمہام افواج



ہزایکسیلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن
پرساد بہادر جی سی آئی ای



نواب ولی الدولہ بہادر
ولی ... جنگ صدرالمہام



نواب لطافت جنگ بہادر سابق صدرالمہام
سیاسیات



کرنیل سوشنکس ترینچ صدرالمہام
مالگزاری



نواب حیدر نواز جنگ بہادر ر اکبر حیدری
صدرالمہام مالیات



سرامین جنگ صدرالمہام پیشی



عاقل جنگ بہادر صدرالمہام پبلک ورکس



شاہزادہ میر حمایت علیخاں نواب اعظم جاہ بہادر ولیعہد سلطنت دکن

آپ ولیعہد سلطنت ہیں اور اعلیحضرت کے خلف اکبر ہیں۔ آپکی تعلیم و تربیت اعلیحضرت خسرو دکن کی نگرانی ہیں خاص طور پر ہوئی ہے۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ دنیوی تعلیم بھی آپ نے بدرجۂ تمام و کمال حاصل کی ہے۔ فنون شاہی ہیں مہارت تامہ حاصل ہے۔ شکار اور فن شہسواری ہیں فرد ہیں۔ آپکا کیرکٹر اعلیٰ ہے اور معاملہ فہمی۔ رواداری۔ قابلیت۔ سمجھداری و ہمدردی کے اوصاف سے متصف ہیں۔ مملکت دکن کی آیندہ تمام امیدیں آپ ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ فرمان خسروی کے مطابق جملہ محکمہ جات کی مثلیں خلاصہ سنانے کے لئے آپکے سامنے پیش ہوتی ہیں۔ آپ اکثر محکموں کا معائنہ فرماتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی وکلاء کی بحث بھی سماعت فرماتے رہتے ہیں۔ شان ولیعہدی آپکے بشرہ سے ہویدا و آشکارا ہے۔

شہزادہ میر شجاعت علیخاں نواب معظم جاہ بہادر

آپ اعلیحضرت خسرو دکن کے خلف اصغر ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت بھی برادر معظم ولیعہد بہادر کے ہمراہ اعلیحضرت کی نگرانی ہیں اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی ہے۔ آپ کو بھی مثل اپنے برادر اعظم کے جملہ مذہبی و دنیوی علوم ہیں مہارت تامہ حاصل ہے۔ آپ کو مردانہ کھیلوں سے خاص شوق ہے۔ برادر اعظم کے ہمراہ آپ بھی امورات سلطنت ہیں شریک رہکر معلومات بہم پہونچایا کرتے ہیں۔ پروردگار عالم نے سمجھداری۔ رواداری۔ ہمدردیٔ خلائق۔ دینداری خاص طور سے ودیعت فرمائی ہے۔ آپ کی ہستی بھی دیگر شاہزادگان ہند کے لئے قابل قدر نمونہ ہے۔

ہز اکسی لینسی یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر جی سی ایس آئی پیشکار افواج و صدر اعظم باب حکومت آصفیہ

آپ راجہ ٹوڈرمل کے خاندان سے ہیں جو دربار اکبری میں نورتن کے مشہور رکن تھے۔ آصف جاہ اول کے ہمراہ اسی خاندان کی پانچویں پشت سے رائے مول چند صاحب دکن میں تشریف لائے تھے۔ یہی سبب ہے کہ آجتک ان کا خاندان بھی آصف جاہی شمار ہوتا ہے۔ مہاراجہ چندو لال بھی اسی خاندان کے قابل فخر بزرگ تھے۔ جنھوں نے عرصہ تک مدار المہامی کی اور سلطنت آصفیہ و انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرائے۔ مہاراجہ نرندر پرشاد انھیں کے پوتے تھے جو ناصر الدولہ کے پیشکار تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں سب سے پہلے آپ ہی نے سر سالار جنگ کو خبر دی تھی کہ باغی حیدرآباد پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ ہند نے خدمات غدر کے صلے میں جو تحائف نظام حیدرآباد و سر سالار جنگ کو روانہ کئے تھے ان میں آپ کو بھی یہ شرف حاصل تھا۔ سر سالار جنگ کے انتقال کے بعد آپنے متفقہ منتظمی کی خدمات بیش بہا خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔ ان کی صاحبزادی سے راجہ ہری کشن بہادر کی شادی ہوئی جن کے بطن سے مہاراجہ سرکشن پرشاد سنہ ۱۲۸۰ھ میں تولد ہوئے۔ مہاراجہ نرندر پرشاد نے آپکو پسر متبنیٰ فرمایا چونکہ ان کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی۔ اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ تلنگی۔ مرہٹی وغیرہ زبانوں میں کافی مہارت حاصل ہے۔ آپ اونچے پایہ کے شاعر بھی ہیں۔ اردو فارسی کلام صوفیانہ رنگ لئے ہوتا ہے۔ غفراں مآب میر محبوب علی خاں بہادر سے آپ تلمذ ہیں۔ آپ نے دو رسالہ بھی جاری فرمائے تھے۔ نثر میں "دبدبۂ آصفی" "نظم میں محبوب الکلام" کم و بیش چھتیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ حالانکہ آپکا مذہب ہندو ہے اور کھتری النسل ہیں لیکن مشرب صوفیانہ ہی آپکی نظر حقیقت میں ہندو مسلمان ایک ہیں۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں آپ پیشکار لشکر آصفیہ مقرر ہوئے مدار راجہ راجایان مہاراجہ بہادر کے خطاب کے ہمراہ دربار عالی سے چھ جواہرات بیش قیمت بطور قدر دانی مرحمت ہوئے اکثر وقار الامرا کی عدم موجودگی میں مدار المہامی کے عہدہ پر مامور ہوئے حضور نظام نے یمین السلطنت کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ حضور نظام اور گورنمنٹ ہند دونوں آپ سے خوش ہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں گورنمنٹ نے آپ کو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی اور سنہ ۱۹۰۷ء میں جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کے خطابات عطا فرمائے۔ ہر ایک وائسرائے ہند آپ کے یہاں جاکر ملاقات بازدید کرتا ہے۔ حضور نظام غفراں مآب میر محبوب علی خاں بہادر کی وفات کے بعد آپ ہی نے سب سے پہلے اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر موجودہ فرماں روائے دکن کو سلطنت کیجانب سے تخت حکومت پیش کیا۔ نومبر سنہ ۲۶ء میں بذریعہ فرمان خسروی صدارت عظمیٰ پر تقرر ہوا جس کو نہایت حسن انتظام کے ساتھ اس وقت تک انجام دے رہے ہیں۔ اکبری یادگار کے سلسلہ میں اب بھی حیدرآباد میں یہ رسم جاری ہے کہ مسلمان امرا کے گھر میں ہندو بیگمات اور ہندو امرا کے یہاں مسلمان بیگمات رشتہ مناکحت میں منسلک ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ مہاراجہ بہادر کے محل میں بھی مسلمان بیگمات ہیں۔ اُن سے جو اولاد ہوتی ہے ان کی شادی مسلمان خاندانوں میں کی جاتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کے اس وقت خواجہ پرشاد و چندا پرشاد دو صاحبزادے ہیں اور اغلباً تین صاحبزادیاں۔

نائب صدر اعظم نواب ولی الدولہ بہادر ولایت جنگ صدر المہام باب دکن

آپ مرحوم مدار المہام ہز اکسی لینسی نواب سکندر جنگ بہادر اقتدار الملک وقار الامرا نواب سر محمد فضل الدین خاں بہادر۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے فرزند رشید ہیں۔ آپکا سلسلۂ نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے اجداد میں نواب ابو الخیر خاں بہادر امام جنگ امرائے درجہ اول میں شامل تھے۔ اس خاندان کی شادیاں بالعموم خاندان شاہی میں ہوتی رہی ہیں نواب سر محمد فضل الدین خاں بہادر کا انتقال سنہ ۱۲۰۹ھ میں ہوا۔ آپنے

دو صاحبزادے چھوڑے۔ نواب محمد ممتاز الدین سلطان الملک بہادر و کپتان نواب ولی الدین خاں بہادر۔ آپ لندن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد فن سپہ گری کی طرف مائل ہوئے۔ امپیریل کیڈٹ کور میں ملکہ بہادری اور شجاعت کے ساتھ امتحان پاس کئے۔ انڈین، برٹش آرمی میں آپ کو ناموری کی وجہ سے لفٹننٹی کا کمیشن ملا۔ چند سال آپ نے امپیریل سروس ٹروپس حیدرآباد میں اعلیٰ قابلیت و محنت سے کام سرانجام دیا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۳ء کو معین المہامی پر آپ کا تقرر ہوا۔ اس کے علاوہ بھی اکثر آپ نے دوسرے معین المہاموں کے کام حسن و قابلیت سے سرانجام فرمائے۔

نواب ولی الدولہ بہادر کے بڑے صاحبزادہ محمد محی الدین خاں بہادر کی شادی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔ رسم سہرا بندی اعلیحضرت حضور نظام نے دست خاص سے فرمائی اس وقت آپ نائب صدر اعظم کے علاوہ صدر المہام بھی ہیں۔

لطف الدولہ بہادر نواب لطافت جنگ

صدر المہام افواج سلطنت آصفیہ

آپ ہزاکسی لینسی ابوالخیر خاں تیغ جنگ خورشید الدولہ، خورشید الملک خورشید الامرا شمس الدولہ شمس الملک شمس الامرا امیر کبیر سر خورشید جاہ بہادر رابع کے پوتے ہیں۔ ۱۲۷۸ھ میں ہزاکسی لینسی کی شادی نواب افضل الدولہ کی صاحبزادی سے ہوئی آپ فطرتاً فیاض اور جوہر شناس تھے۔ نہایت حسین اور پابند صوم و صلوٰۃ و نیک چلن تھے۔ جو والسرائے حیدرآباد میں آتا وہ آپکے یہاں بھی ضرور مدعو ہوتا۔ ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی کے موقع پر کے سی ایس۔ آئی کا خطاب آپ کو عطا ہوا۔ ہندوستان کی ایک تاریخ، بھی لکھی تھی جس کے ترجمے دوسری زبانوں میں ہوئے۔ ۱۳۲۰ھ میں آپکا انتقال ہوا۔ دو صاحبزادے تھے۔ نواب ظفر جنگ شمس الدولہ شمس الملک بہادر و نواب امام جنگ خورشید الدولہ خورشید الملک بہادر۔ نواب سر خورشید جاہ بہادر محل خاص سے تھے جو غفران مکان میر محبوب علی خاں کے بھانجے تھے۔ آپ دو مرتبہ ولایت گئے۔ اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم و تربیت ہوئی۔ ملکہ وکٹوریہ نے بھی آپ کو پہلی مرتبہ شرف باریابی بخشا۔ عنفوان شباب ہی میں آپ کا انتقال پر ملال ہو گیا تھا۔ نواب لطافت جنگ لطف الدولہ بہادر آپ ہی کے صاحبزادے ہیں جو فن شجاعت اور فن شہسواری میں خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم حاصل کی ہے۔ آپ نہایت شجاع اور بہادر اپنے دادا صاحب کی طرح وجیہہ اور بارعب نیک طینت و فیاض طبیعت، رکھتے ہیں۔ پہلی مرتبہ حسن خدمات کے صلے میں آپ کو نواب لطافت جنگ اور دوسری مرتبہ لطف الدولہ کے خطابات عطا ہوئے۔

اعلیحضرت حضور نظام عالی مقام نے صدر المہام افواج مقرر فرمایا ہے، جس کے فرائض آپ نہایت قابلیت کے ساتھ ادا فرما رہے ہیں۔

نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر محمد اکبر علی صاحب حیدری صدر المہام فنانس حیدرآباد دکن

آپ کا پہلا نام محمد اکبر علی نذر علی حیدری ہے۔ آپ ۸ نومبر ۱۸۷۹ء کو بمقام بمبئی پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مرحوم کا نام سیٹھ نذر علی صاحب تھا۔ آپ کے مورث ممالک عرب میں مشہور تاجر شمار ہوتے تھے۔ جن کی تجارت کا سلسلہ یورپ وغیرہ تک پھیلا ہوا تھا۔ شروع میں آپ کے مورث کھمبات اور پھر بسلسلۂ تجارت بمبئی آئے آپ کے نانا بڑے دوراندیش تھے۔ زمانہ شناسی کے لحاظ سے انہوں نے آپ کو انگریزی تعلیم کے لئے یورپ بھیجا۔ اس وقت مسلمانوں کو ان باتوں کا گمان بھی نہ تھا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے بی۔ اے آنرس کیا۔ اس کے بعد آپ نے ایل۔ ایل۔ بی کی تیاری کرنا چاہی، لیکن گورنمنٹ نے آپ کو انڈین فنانس کے لئے منتخب کیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ سب سے پہلے ۱۸۸۸ء میں آپ ناگپور میں اسسٹنٹ کنٹرولر ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں کرنسی آفس لاہور میں تبادلہ ہو گیا۔ اسکے بعد کلکتہ تبدیل کر دئے گئے اور وہاں سے اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل ہو کر الہ آباد آ گئے۔ ۱۸۹۳ء میں پھر بمبئی بھیجدیئے گئے اور وہاں سے ۱۹۰۰ء میں جنرل اکونٹنٹ بنا کر مدراس تبدیل کر دیا گیا۔ ۱۹۰۱ء میں برہما اور ہندوستان کے آڈٹ پر مامور ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں،

مستعار طریقہ پر حکومت نظام نے آپ کی خدمات لیں۔ یعنی آپ، حیدرآباد میں پہونچکر اکونٹنٹ جنرل بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں سکریٹری گورنمنٹ فنانس ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ و طبابت و تعلیمات ہو گئے۔ شروع سنہ ۱۹۲۰ء تک عارضی طریقہ پر محکمہ صنعت و حرفت بھی سپرد رہا۔ سنہ ۱۹۲۰ء ہی میں پھر صوبہ بمبئی کے اکونٹنٹ جنرل ہو گئے۔ آپ ہی سب سے پہلے ہندوستانی ہیں جو اس عہدہ پر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ اعلیٰحضرت نے یاد فرمایا۔ اور معتمدی عدالت و کوتوالی و تعلیمات و امور عامہ پر تقرر ہوا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں مسٹر گلینسی کی جگہ صدر المہام فنانس و رکن باب حکومت اور ساتھ ہی ممبر ایگزیکیٹو کونسل مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں سرکاری ریلوے کے ڈائرکٹر بھی مقرر فرمائے گئے۔ سنہ ۱۳۳۹ف کے موازنہ پر گورنمنٹ نظام نے آپکا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے اپنے زمانہ میں جس محکمہ میں رہے بڑی بڑی ترقیاں کیں۔ سول سروس اور گرلز اسکول کا قیام آپ ہی کی بدولت ہوا۔ ماہر تعلیمات مسٹر میو کی خدمات آپ ہی نے حاصل کیں۔ دو سال کے اندر دیہات کا معائنہ کرنے کے بعد ہر قسم کے مدارس کھولنے کی اسکیم پیش کی۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں ڈاکٹر راس مسعود نواب مسعود جنگ بہادر موجودہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو آپ ہی نے ناظم تعلیمات مقرر فرمایا۔ عثمانیہ یونیورسٹی آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے جامعہ عثمانیہ کی ڈگری دیگر یونیورسٹی کی ڈگری کے برابر شمار ہوتی ہے یہ بھی آپ ہی کی کوشش ہے۔ تعمیر جنرل ہسپتال آپ ہی کی تجویز ہے سنہ ۱۹۱۴ء میں سررشتہ آثار قدیمہ قائم کیا۔ آپ نے ہر زمانہ میں اپنے محکمات میں اخراجات کے اندر بیحد کمی کی۔ سبیل بندی کا طریقہ جاری فرماکر ریاست اور ملازمین کو آسانی بہم پہونچائی۔ مالی حالت کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ ممالک محروسہ میں بڑی بڑی ترقیاں کی ہیں۔ کوئلہ کی لائن آپ ہی نے تعمیر کرائی۔ نستعلیق کا ٹائپ آپ ہی وجہ سے تیار ہو رہا ہے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں پہلے، تعلیمی کانفرنس کے اجلاس میں صدر ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں جنوبی ہند کے مسلمانوں نے تعلیمی کانفرنس کا صدر منتخب کیا۔ بمبئی۔ ڈھاکہ، مدراس۔ علی گڑھ یونیورسٹیز کے فیلو ہیں۔ تین یونیورسٹیز کورٹز و مجالس اعلیٰ کے آپ رکن بھی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں منجانب گورنمنٹ ہند آپکو

کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ای کا خطاب ملا۔ نظام عالی مقام کی طرف سے نواب صدر نواز جنگ بہادر کا معزز خطاب مرحمت ہوا۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں شملہ پر تمام یونیورسٹیز کی متحدہ کمیٹی کے آپ صدر رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کا کانوکیشن ایڈریس دیا۔ آپ عالی دماغ۔ خوش اخلاق۔ نرم طبع۔ اعلیٰ خیال۔ بلند ہمت۔ مہمان نواز۔ سخی اور پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ آپکی بیگم صاحبہ بھی ہمدرد قوم اور حامیٔ تعلیم و نہایت قابل ہیں۔ آپ کی شادی اپنے ماموں صاحب نجم الدین طیب جی کے یہاں ہوئی ہے۔ حکومت حیدرآباد کی طرف سے آپ بھی ریاست کے نمایندے بنکر گول میز کانفرنس لندن میں تشریف لے گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ کی ذات ستودہ صفات مجموعۂ کمالات ہے۔ اور ان تمام باتوں کے ماسوا رسب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حیدرآباد کے علاوہ ہندوستان کا ہر فرد بشر آپ کی قابلیت کا معترف ہے۔ اور اب انگلستان کے قابل افراد آپکے تبحر علمی و قابلیت کے معترف ہیں

کرنل آر۔ ایچ شیو شنکر نیچ بہادر صدر المہام مالگذاری دکن

کرنل صاحب بہادر کو اعلیٰحضرت حضور نظام نے آپکی قابلیت کی شہرت سنکر گورنمنٹ ہند سے مستعار طور پر ریاست حیدرآباد کے لئے طلب فرمایا۔ آپ ایک تجربہ کار اور قابل افسر ہیں۔ ریاست کشمیر میں بھی عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں آپ کا تقرر صدر المہام مالگذاری پر عمل میں آیا۔ اس وقت سے نہایت حسن انتظام و قابلیت کیساتھ آپ ریاست کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس قلیل مدت میں آپ نے بہت زیادہ اصلاحیں محکمۂ متعلقہ میں فرمائی ہیں۔

نواب نظامت جنگ بہادر ایم۔ اے۔ او بی ای سی۔ آئی۔ ای سابق صدر المہام سیاسیات

آپ کی عمر تقریباً ۵۸ سال ہے۔ آپ نواب رفعت جنگ بہادر مرحوم مغفور کے فرزند رشید ہیں جو اپنی ذاتی قابلیت و علمیت و اخلاق

نواب مرزا یارجنگ بہادر بی اے چیف جسٹس عدالت العالیہ



ڈاکٹر نواب سراج یار جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر رکن عدالت العالیہ



نواب اکبر یارجنگ بہادر رکن عدالت العالیہ



ڈاکٹر حاجی نواب ناظر یار جگ بہادر رکن عدالت العالیہ



پنڈت گرراو صاحب رکن عدالت العالیہ



نواب ھاشم یار جنگ بہادر ایم اے رکن عدالت العالیہ



نواب جیون یار جنگ بہادر بیرسٹر رکن عدالت العالیہ



نواب مہدی یار جنگ بہادر
معتمد سیاسیات



نواب ذو القدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر
سابق معتمد امورعامہ



مسٹر بی اے کالنس آئی سی ایس
سی آئی ای معتمد صنعت و حرفت



نواب کرامت جنگ بہادر ایف سی ایچ
معتمد ٹریننج



نواب اختر یار جنگ بہدر
معتمد امور مذہبی



رائے بیجناتھ ایم اے معتمد مجلس
وضع آئین و قوانین



نواب اغایار جنگ بہادر
معتمد مالگزاری



نواب علی نواز جنگ بہادر ایف سی ایچ
معتمد تعمیرات و آبپاشی



نواب صمد یار جنگ بہادر ایم اے
معتمد افواج و طبابت



نواب مہدی یار جنگ بہادر
معتمد سیاسیات



نواب ذو القدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹر
سابق معتمد امور عامہ



مسٹر بی اے کالنس آئی سی ایس
سی آئی ای معتمد صنعت و حرفت



نواب کرامت جنگ بہادر ایف سی ایچ
معتمد تعلیم



نواب اختر یار جنگ بہادر
معتمد امور مذہبی



راے بیجناتھ ایم اے معتمد مجلس
وضع آئین و قوانین



نواب اغایار جنگ بہادر
معتمد مالگزاری



نواب علی نواز جنگ بہادر ایف سی ایچ
معتمد تعمیرات و آبپاشی



نواب صمد یار جنگ بہادر ایم اے
معتمد افواج و طبابت



ہمدردی کے علاوہ ریاست حیدر آباد میں خاندانی شرافت و حسن تدبر
کی وجہ سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ مدرسۂ اعزہ آپ ہی کی تحریک کی قابل
قدر یادگار ہے۔ ۱۸۸۷ء میں آپ لندن تشریف لیگئے۔ کیمبرج سے بی اے
اور ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ریاست حیدر آباد میں پہلے ہونہار
حیدر آبادی ہیں جنھوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے آنرز امتحانات میں
قانونی ڈگری حاصل کی۔ حیدر آباد تشریف لانیکے تھوڑے عرصہ بعد
پھر بیرسٹری کی ڈگری حاصل کرنیکے لئے آپکو لندن بھیجا گیا۔ بعد واپسی
ولایت ریاست کی خدمات انجام دیں۔ ڈسٹرکٹ جج۔ چیف سٹی مجسٹریٹ
رجسٹرار ہائیکورٹ کے علاوہ عرصہ تک انڈر سکرٹری لیجسلیٹو کونسل رہے
تین سال ہائیکورٹ کے جج رہے۔ دو سال ہوم سکرٹری۔ اسکے
بعد پھر ہائیکورٹ کے جج ہوگئے۔ دو سال تک آپ چیف جسٹس بھی
رہے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں آپکا تقرر عہدہ معتمد سیاسیات پر ہوا اسکے
بعد سر فریدون الملک بہادر کے وظیفہ یاب ہونے پر صدر المہام،
سیاسیات ہوئے اور ابتک حسن انتظام سے فرائض منصبی انجام
دے رہے ہیں۔ آپنے اپنی کوشش سے حیدر آباد میں ایک
سرکاری محتاج خانہ قائم کرایا ہے۔ موسیٰ ندی میں جب طغیانی آئی
تھی اور حیدر آباد کی رونق کو جس سے کافی زوال پہونچا تھا اسکا
نقص دور کرنیکے لئے آپ ہی نے انتظام فرمایا تھا جسکی وجہ سے
اب پہلے سے زیادہ رونق دوبالا ہوگئی ہے۔ آپ جس ہمدردی
اور دلدہی سے ریاست کے امور سرانجام دیتے ہیں وہ حقیقتاً
دوسروں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ آپ وکٹوریہ میموریل آر
فینیج کے آنریری سکرٹری ہیں۔ علمی قابلیت کا معیار بلند ہے۔ خوش
اخلاق ہیں۔ صاحب وضع ہیں۔ نمود و نمائش سے گریز کرنیوالے
ہیں۔ حسن تدبر کی یہ مثال کافی ہے کہ جسوقت گورنمنٹ مدراس اور حکومت
آصفیہ سے کرشنا و تنگبھدرا کے پانی پر ردو قدح ہو رہی تھی تو،
برٹش حکومت کے عہدہ داروں سے بحیثیت صدر رو قدر آپ نے
بحث و مباحثہ فرما کر اپنے مطالبات قبول کرائے جنکی نسبت چیف
انجینیر مسٹر ہیکنزی کا خیال تھا کہ برٹش حکومت کے افسران دست بردار
نہونگے۔ آپکی زندگی بالکل طالب علمانہ ہے۔ باوجود کثرت کار کے زیادہ
وقت مطالعہ میں صرف فرماتے ہیں۔ انگریزی میں شاعری کا شوق ہے

"ہسٹری آف انڈیا" کی تالیف پر انگلینڈ کے مشہور اساتذہ نے آپ کی
نازکخیالی کی داد دی ہے۔ نواب صاحب ممدوح نے اکبر پر حقیقی سیرت
پر تقریر فرمائی تھی جس میں وہ بیش بہا رموز و نکات بیان فرمائے کہ
ابتک لوگ انکو نہیں بھولے۔ مختصر یہ کہ آپ کی ہستی دوسرے لوگوں
کے لئے رہبری کا کام دے سکتی ہے۔

نواب عقیل جنگ بہادر صدر المہام پبلک ورکس

آپ عماد الملک بہادر علامہ مولانا مولوی سید حسین بلگرامی
کے بلند اقبال فرزند ہیں۔ نواب عماد الملک بہادر نے سلطنت
آصفیہ میں جو علمی خدمات سرانجام دی ہیں ان سے زمانہ واقف
ہے۔ دکن کی جملہ علمی تحریکیں آپ ہی کی خاموش کوششوں سے پاس
ہوئیں۔ افسوس کہ ان کا انتقال ٹانگ کے حادثہ سے بمقام لندن
ہوا۔ نواب عقیل جنگ بہادر مثل اپنے والد بزرگوار کے خاص
قابلیت و علمیت رکھتے ہیں۔ آپ اسوقت پبلک ورکس کے صدر المہام
ہیں اور اپنے فرائض کو نہایت خوبی کے ساتھ اسوقت تک ادا
فرما رہے ہیں۔

سر فریدون الملک بہادر نواب فریدوں جنگ آنجہانی
صدر المہام اعزازی

آپ کی پیدائش ۱۸۴۹ء میں بمقام حیدر آباد ہوئی۔ آپ کی تعلیم
و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ ابتدا میں آپ سر سالار جنگ بہادر
اول کے زمانہ میں ریونیو سروے و سٹلمنٹ کے محکموں میں اورنگ آباد
تعینات ہوئے۔ آپ کی حسن قابلیت سے علاقہ پربھنی و بیدر کی بنجر
زمینیں آباد ہوئیں۔ بمبئی سروے کے مطابق آپ نے کام کیا۔ زمینوں
کے لگان میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ سر سالار جنگ بہادر نے خوش
ہوکر آپ کو ایک عدد طلائی گھڑی معہ زنجیر مرحمت فرمائی۔ اس کے
بعد ۱۸۸۳ء میں آپ تعلقہ دار اورنگ آباد مقرر ہوئے۔ کچھ
دنوں کے بعد سٹلمنٹ افسر مقرر ہوئے۔ یہ ایک نئی بات ہے کہ آپ،

اپنے تدبر و معاملہ فہمی و ہردلعزیزی کی وجہ سے نواب سر آسمان جاہ سر وقار الامرا بہادر و ہز اکسی لینسی مہاراجہ سرکشن پرشاد و نواب سالار جنگ بہادر ثالث کے پرائیوٹ سکرٹری رہے۔ اس دوران آپ نے کئی مرتبہ پنشن لینا چاہی لیکن آپ کی بیش بہا خدمات و تجربات کا خیال کرتے ہوئے حکومت کو مستفید رہنے کی وجہ سے پنشن کی درخواست منظور نہیں کی گئی۔ گذشتہ زمانہ آپنے حضور نظام عالی مقام کے پولٹیکل سکرٹری کی خدمات بھی انجام دی ہیں آپ گارڈن کلب و رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر بھی تھے۔ آپ کے صاحبزادہ صاحب برار میں ڈپٹی کمشنر ہیں۔ انگریزی کے آپ نامہ نگار تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں آپ کو سی۔ آئی۔ ای اور ۱۹۱۱ء میں کے۔ سی۔ ایس آئی کے خطابات منجانب گورنمنٹ عطا ہوئے۔ بقیہ خطابات حکومت نظام کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔ آپ پارسی تھے۔ لیکن ہر مذہب کو امداد دیتے تھے۔ آپ کے یہاں عالموں کا مجمع رہتا تھا سخاوت اور فیاضی کی زندہ مثال تھے۔ حضور نظام نے اول اول آپکو صدر المہام کیا پھر بوجہ ضعیفی وظیفہ مقرر فرما دیا۔ مگر بہترین اور مفید مشوروں کے لئے انتظامی کونسل کا رکن اور اعزازی صدر المہام کر دیا۔ سید علی امام کی واپسی پر درمیان میں آپ صدر اعظم کے انتخاب تک صدر اعظم رہے۔ آپ ہی نے مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کو صدر اعظم کا چارج دیا۔ حیدرآباد میں آپ کا نام خاص وقعت سے لیا جاتا ہے۔ آیندو روند کے لئے آپکا گھر ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی خصوصی نظام

آپ کا اسم گرامی مولوی سید احمد حسین صاحب ہے۔ آپکا سنہ پیدائش ۱۸۶۳ء ہے۔ آپ کے والد صاحب قبلہ کا نام معتمد خطیب مولوی محمد قاسم صاحب تھا۔ جو صوبہ مدراس میں ضلع سلیم پور کے معزز ترین عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدا میں آپکی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر اپنے مکان ہی پر ہوئی۔ اس کے بعد آپ کرسچن کالج میں داخل ہو گئے جہاں آپ نے گورنر اسکالرشپ حاصل کیا۔ آپ نے بی۔ اے کا امتحان ۱۸۸۵ء میں پاس کیا۔ اور ایل۔ ایل۔ بی ۱۸۸۹ء میں اور ایم۔ اے ۱۸۹۰ء میں۔ اول آپ ۱۸۹۱ء میں ڈپٹی مجسٹریٹ ہوئے۔ ۱۸۹۲ء میں اعلیٰحضرت غفران مکان میر محبوب علیخاں بہادر کے اسسٹنٹ پرائیوٹ سکرٹری ہوئے اور بعد ازاں ۱۸۹۳ء سے اعلیٰحضرت نظام عالی منزلت کے چیف سکرٹری کے فرائض پر فائز المرام ہوئے ہیں۔ جس عہدہ کو صدر اعظم پیشی اعلیٰحضرت معظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں آپ کو سی۔ ایس۔ آئی اور ۱۹۲۷ء میں نائٹ کے خطابات ملے نظام عالی مقام کو آپ پر کافی اعتماد ہے۔ آپ کا کتب خانہ وسیع ہے۔ آپ نیک طینت۔ خوش اخلاق۔ با مروت۔ باوضع اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہونے کے علاوہ ایک فاضل اجل بزرگ ہیں۔

رائے مرلیدھر راجہ فتح نواز ونت بہادر آنجہانی صدر المہام صرف خاص

آپ منشی منولال صاحب آنجہانی اگزکٹو انجنیر انہار کے صاحبزادے تھے۔ جن کو بصلۂ خدمات غدر ۱۸۵۷ء گورنمنٹ ہند کی طرف سے بلند شہر یو۔ پی کے ضلع میں کچھ مواضعات عطا ہوئے تھے۔ راجہ صاحب آنجہانی کلکتہ یونیورسٹی کے ایف۔ اے تھے۔ حیدرآباد میں بحیثیت اٹاچی آپ کا تقرر ہوا۔ اس کے بعد تعلقدار سویم مقرر کئے گئے۔ چند ہی دن میں دیانتداری اور نیک نامی کی وجہ سے تعلقدار دویم ہو گئے۔ پھر اس کے بعد ۱۸۸۲ء میں آپ اسسٹنٹ سکرٹری ریونیو بورڈ مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۳ء میں بصلۂ حسن قابلیت اور حسن کارکردگی کی وجہ سے تعلقدار اول ہو گئے اس کے بعد کچھ عرصہ اسپشل کمیشن میں رہے اور وہاں سے صوبہ دار اورنگ آباد ہو کر تبدیل ہو گئے۔ بعدہٗ ریونیو بورڈ کے ممبر مقرر کئے گئے۔ ساتھ ہی سشن ججی کے بھی اختیارات تفویض ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں آنریبل جسٹس گریفن جج ہائیکورٹ الہ آباد کے ساتھ بمقدمہ نواب سلطان نواز جنگ بہادر تحقیقات میں بیٹھے گورنمنٹ نے آپ کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد معتمد مالگزاری،

مقرر ہوئے لیکن صدر المہامی صرف خاص کا بھی تعلق آپ ہی سے رہا۔ جس وقت بابِ حکومت قائم ہوگیا تو آپ صدر المہام مالگذاری مقرر فرمائے گئے۔ اس عہدہ پر مولوی عبداللہ یوسف صاحب کے آنے تک رہے اور پھر صدر المہام صرف خاص ہو گئے۔ رائے جگموہن لال صاحب بی۔ اے آپ کے بڑے صاحبزادے صاحب تعلقدار اول ہیں۔ آپ کی دیانتداری۔ نیک نیتی و بُردباری حلیم الطبعی پر اعلیٰحضرت کو اعتماد کلی حاصل تھا۔

مولوی خان فخرالدین احمد خانصاحب بی۔ اے
نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فنانس

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی خان بہادر غلام احمد خاں صاحب (مرحوم) تھا۔ جو پنجاب کے مشہور پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ایام غدر میں برٹش حکومت کی خدمات انجام دی تھیں۔ پنجاب میں عرصہ تک اسسٹنٹ کمشنر بھی رہے۔ اور بعد میں خان بہادر صاحب مرحوم کی خدمات ریاست کشمیر میں مستعار لی گئیں۔ کشمیر ہونچکر مشیر مال کی حیثیت سے آپ نے بہت کچھ ترقی فرمائی۔ ریاست کشمیر اور گورنمنٹ ہند دونوں، آپ کے مداح رہے۔ افسوس کہ دوران ملازمت کشمیر ہی میں آپکا انتقال ہوگیا۔ جس پر ریاست کشمیر نے بہت ہی اظہار رنج و ملال فرمایا۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ مولوی خان فخرالدین احمد خاں صاحب۔ خان بہادر عبدالقیوم خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ پولس۔ خان بہادر رسول خاں صاحب۔ عبداللطیف خانصاحب

نواب فخر یار جنگ بہادر بی۔ اے علیگ ہیں۔ خاص اعزاز کے ساتھ آپ نے علی گڑھ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے اکونٹنٹ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور اس میں کامیاب ہونے کے بعد اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل مقرر ہوئے۔ سفارت برٹش کے ساتھ اسی درمیان میں آپ کابل بھی تشریف لے گئے تھے۔

حکومت نظام نے چند دن کے بعد آپ کی خدمات مستعار لیں۔ اول اول حیدرآباد پہونچکر آپ اکونٹنٹ جنرل اور اس کے بعد معتمد فنانس ہوئے۔ مسٹر گلنسی کے چلے جانے پر درمیان میں کچھ دنوں کے لئے صدر المہام فنانس بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے اپنے محکموں میں بہت کچھ ترقیاں فرمائیں۔ آپ اعلیٰ کیرکٹر۔ دیانتدار۔ محنتی۔ جفاکش۔ خوش اخلاق۔ راستگو اور ملنسار نوجوان ہیں۔ آپ نے حج بھی ادا فرمایا ہے اور محفل میلاد سے خاص شغف رکھتے ہیں۔

نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹرایٹ لا سابق معتمد عدالت کوتوالی امور عامہ و ہوم سکرٹری حیدرآباد دکن

نواب ذوالقدر جنگ بہادر کے والد ماجد قبلہ نواب غامرزا بیگ المخاطب بہ نواب سرور جنگ بہادر ہیں جو فردوس آشیان اعلیٰحضرت میر محبوب علیخان بہادر کے اتالیق شفیق تھے اور ایک زمانہ تک ہیں کے چیف سکرٹری رہے ہیں۔ آپ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی ہے۔ آپ نے مدرسہ اعزہ سینٹ جارج گرامر و اسکاٹش ہائی اسکول وغیرہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت آصفیہ نے آپکو تکمیل تعلیم کے لئے ولایت روانہ کیا۔ لندن ہونچکر آپ مڈل ٹمپل لنڈن و کرائسٹ کالج میں داخل ہوگئے اور ۱۸۹۷ء میں بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۰ء میں آپ حیدرآباد واپس ہوئے اور پہلے پہل تھرڈ پریڈنسی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور چند دن کے بعد ہی چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ مقرر فرمائے گئے ۱۹۰۷ء میں آپکی عمر صرف اکتیس سال کی تھی لیکن قابلیت و تجربات کی بنا پر آپ پیسنی جج ہائیکورٹ مقرر فرمائے گئے۔ اسکے بعد آپ نے ہوم سکرٹری کے فرائض بھی انجام دئے اور دوسری معتمدیوں کے بھی تجربات حاصل فرماتے رہے۔ آپکو علم سے خاص دلچسپی ہے۔ تاریخ اندلس آپکی بہترین تصنیف ہے۔ آپ بیحد خلیق اور متواضع نیک خو تجربہ کار اور آزمودہ ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ہوم سکرٹری کے عہدہ سے حال ہی میں پنشن یاب ہوئے ہیں۔

ہے خوبانِ دکن کا ناز اچھا بانکپن اچھا

ممالک میں جہاں کے کیوں نہ ہو اپنا وطن اچھا
ہے کل شاہانِ ہفت اقلیم میں شاہِ دکن اچھا

ہمارے واسطے الطافِ ظل اللہ کافی ہیں
ملا ہے خوبیٔ تقدیر سے سایہ فگن اچھا

نہیں کیا مال و زر سے دامنِ اہلِ طلب مملو
نہیں اے ساکنانِ ہند کیا ملکِ دکن اچھا

یہاں کے نافہائے آہوئے صحرا کو گر سونگھیں
نہ پائیں پھر کبھی اہلِ ختن مشکِ ختن اچھا

حسینانِ بنارس کی فقط شہرت ہی شہرت ہے
ہے خوبانِ دکن کا ناز اچھا بانکپن اچھا

رہے کوئی کہاں جا کر بنا دنگل ہے ہندوستاں
لڑائی سے نہیں ہے کیا۔ یہ بہرِ امنِ دکن اچھا

نہیں بیجا جو نازانِ چمن کا نازِ شادابی
وطن کو اپنے سمجھیں کیوں نہ ابنائے وطن اچھا

ہے طرزِ حضرتِ غالب پسندِ خاطرِ طالب
نہ ہو کیوں شاعری میں اس کا اندازِ سخن اچھا

(ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر طالب ایم۔ بی۔ ایس۔ ایچ۔ پی سول سرجن و کارونر بلدہ)

مسٹر محمد ابوتراب ناظم
تعمیرات



خان بہادر مرزا اکبر بیگ ایم اے
آئی سی ای ناظم تعلیمات



نقل شبیہ مولوی محمد سید حسین صاحب جعفری
بی اے (آکسن) نائب ناظم تعلیمات سرکار عالی



مولوی خان فضل محمد خاں
ایم اے ناظم تعلیمات



مسٹر سجاد مرزا ایم اے پرنسپل
چادر گھات کالج



مسٹر سید عارف الدین بی ایس سی
سکرٹری جامعہ عثمانیہ



مسٹر شفیع احمد حیدرآبادی۔جنہوں نے انگلستان کے رودبار میں
قریب ۷۲ گھنٹہ تیر کر دنیا میں نام حاصل کیا ھے



مسٹر سی سی پال ناظم خصوصی نظام ساگر



اظہرحسن بی-اے نائب معتمد ہوم سکرٹری



نواب سردار جنگ بہادر



نواب قادر جنگ بہادر



مسٹر مہرعلی فضل سی ای اے ایم
آئی ای ناظم ارائش بلدہ



مسٹر غلام محمود قریشی نائب
معتمد مالگزاری



مسٹر سید یوسف علی نائب
معتمد تعمیرات



مسٹر احسن الزمان ناظم ٹرینیج



مسٹر سید محمدتقی ناظم ابکاری



مسٹر غلام غوث خاں ناظم کورٹ آف وارڈ

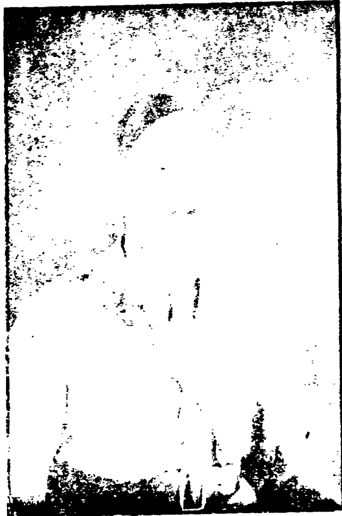




کیپٹن ایم ایچ خاں علیگ کنگس اون



نواب حسن یار جنگ بہادر علیگ



کیپٹن غلام معین الدین علیگ

ملٹری گروپ حیدرآباد



ڈنر پارٹی بمقام ملٹری کلب سکندرآباد



خواب

مندرجہ ذیل حالات جو فی الحقیقت صاحبِ مضمون اور ناظرین کے واسطے ایک خواب ہے۔ سلطنت حیدر آباد کے پچاس ساٹھ سال قبل، کے صحیح حالات ہیں۔ جن کے دیکھنے و جاننے والوں میں اب شاید ہی کوئی صاحب باقی ہوں۔ جس زمانہ کے یہ واقعات ہیں اسی زمانہ کی زبان ہے۔ "سرگزشت" کو اس مضمون پر خاص ناز ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ خدا رپاک و برتر موجودہ سلطان و سلطنت حیدر آباد کو ابدالاباد تک بامراد۔ قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ اور صاحب مضمون جو فی الحقیقت اس وقت باقیات الصالحین سے ہیں عرصہ دراز تک زندہ و سلامت رہیں۔ حیدر آباد کے جو صاحب* یکم مارچ سنہ ۱۳۳۱ھ تک صاحبِ مضمون کے نام نامی سے ہمکو اطلاع دیں گے ہم ایک جلد "نظام نمبر" انکی خدمتمیں پیشکش کرینگے۔ اڈیٹر

میں ایک روز صبح کے وقت اس شعر کے مطالب پر غور کر رہا تھا۔

بہر لحظہ بہر ساعت بہر دم
دگرگوں می شود احوال عالم

اس عالمِ کون و فساد میں اجرام و اجسام و حیوان و نباتات و جماد سب میں جاری ہے۔ کہ یکایک مجھ کو غنودگی آگئی اور قضاو قدر نے مجھ کو عجیب تماشا اس حالت میں دکھایا۔ یعنی میں نے دیکھا کہ گویا میں حیدر آباد میں ہوں اور پتھر گٹی کے ایک بلند مقام پر استادہ ہوں۔ آواز نقارہ و طبل کی میرے کان میں آرہی ہے۔ غور کر کے جو میں نے دیکھا تو جوق جوق جوانان زرہ پوش آلات حرب سے آراستہ طبل زنان چلے آرہے ہیں اور ہر گروہ کے عقب میں ان کے سرانِ سپاہ و جمعداران لباس زرق و برق میں آراستہ دستار بر سر و سپر بر دوش شمشیر بدست۔ داڑھیاں ڈھاٹے سے، بندھی ہوئیں۔ کوئی ہودج فیل پر نشستہ۔ کوئی اسپ سوار چھتر مختلف رنگ کے سایہ میں یکے بعد دیگرے چلے آتے ہیں۔ بدریافت معلوم ہوا کہ یہ جمعداران نظم جمعیت راجپوت پٹھان اس جلوس کے ساتھ وزیر اعظم نواب مختار الملک سالار جنگ کے سلام کے واسطے ہر روز جایا کرتے ہیں ان کے بعد ایک عجیب وحشیانہ غل اور بندوقوں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر دیکھا کہ جوانان عرب بیشتر باشندگان حضر موت اپنی وحشی عربی کی کلکاریاں مارتے ہوئے۔ بندوقیں توڑیدار داغتے ہوئے۔ ننگی شمشیر کے ہاتھ پھینکتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ ان کے پیچھے جمعداران عرب مثل مقدم جنگ و برق جنگ غالب جنگ عماری ہائے زرنگار پر نشستہ، چھتر مختلف رنگ کے سایہ میں آرہے ہیں اور یہ بھی وزارت پناہ کی سلام کو جارہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ گویا میں آئینہ خانہ میں گیا جو ایک مختصر خوبصورت مکان در و دیوار و سقف شیشہ ہائے مختلف الالوان سے جگمگا رہے ہیں۔ ایک طرف کتاب خانہ اور دوسری طرف نشستگاہ جس میں اہل دربار زیادہ تر جمعداران عرب شان و شوکت سے منتظر، یاد آوری و باریابی بیٹھے ہوئے۔ تیسری طرف ایک زینہ ہے۔ میں اس زینہ کے راہ بالاخانہ پر چڑھ گیا ہوں۔ یہ ایک لمبی گلھیاری ہے اور اطراف میں مختلف کمرے۔ ہر کمرہ کے دروازہ پر پردہ پڑے ہوئے اور شاگرد پیشگان مستعد بکار و گوش برآواز بیٹھے ہوئے ہیں۔ انمیں سے ایک مجھ کو دیکھکر جلد جلد سامنے کے کمرے میں گیا۔ نواب صاحب شیروانی جامہ وار کشمیری در بر کلاہ بخارائی زرنگار بر سر گوشہ کلاہ خمیدہ سرخ و سفید رنگ ریش تراشیدہ چوڑا سینہ فراخ پیشانی بکمال رعب و داب پنسل بدست ایک کوچ پر پشت بر تکیہ زدہ رونق افروز ہیں مگر د، اس کوچ کے بستے کے بستے مختلف محکمات کے کاغذات کے پڑے ہوئے ہیں اور چند کاغذات سینہ مبارک پر بھی رکھے ہوئے ہیں مجھکو

ایک کرسی پر جو قریب کو بچھی تھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سلام کرکے
بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ یہ محنت شاقہ تمام روز تا دوازدہ ساعت شب
فقط سرکار ہی برداشت کرسکتے ہیں۔ مسکرا کر فرمایا کہ اگر آج کا کام آج
ہی ختم نہ کروں تو دوسرے دن دوہری محنت کرنی پڑتی ہے۔ اتنے
میں ایک نہایت کبیر السن۔ سیاہ رنگ۔ ریش سفید۔ خمیدہ قامت۔ دستار
چوبداری برسر ایک پتلی چھڑی در دست کمر بستہ کمرہ میں آیا۔ یہ خمیدہ قامت
پیر فرتوت وغیرہ فقیر محمد نامی جمعدار چوبداران دیوانی تھا۔ جو نوابصاحب
کی سن طفلگی سے بے باک اور دہن دریدہ تھا۔ اس نے گستاخانہ بڑھی
آواز سے کہا کہ چلو اٹھو کتنک کاغذ پٹا کردگے۔ ڈیوڑھی مبارک شاہی
کے اہلکار برائے سلام جمع ہوگئے ہیں۔ تمہارے چچا نے تو کبھی اہل دربار
کو منتظر نہ رکھا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں دوسرے کمرے میں استادہ
ہوں اور اہل دربار اکثر اہل ملک اور بعض غیر ملک اپنے اپنے وطن کی
لباس در بر دستار برسر کمر بستہ پشت بدیوار بیٹھے ہوئے ہیں اور فقیر محمد
وغیرہ چوبداران چھڑی بدست ہر طرف شہباز نظر دوڑا رہا ہے۔ اتنے
میں ایک نہایت عالی مرتبہ عہدہ کی جمعدار نے پگڑی اتار کر سر پر ہاتھ
پھیرا تھا کہ میاں فقیر محمد کی ادب آموز چھڑی انکی موتراشیدہ شفاف سر پر
پہنچ گئی اور ساتھ ہی اسکے یہ بلند آواز ہوشیار کیا کہ یہ دادا جان کا گھر نہیں
ہے کہ بے تکلف ہوگئے۔ اتنے میں چوبداران کی آواز آئی "ادب بجالاؤ
ادب سے۔ ملاحظہ سے" سب اہل دربار سرو قد اٹھ کھڑے ہوئے اور
چند چلکنیاں در دہن مبارک چابتے ہوئے ہر ایک کا سلام لیتے ہوئے
مسند وزارت پر شیروانی جامہ وار در بر کلاہ زرنگار بر سر مثل شیر نر
دو زانو بیٹھ گئے۔ اہل دربار میں سے ایک نے قریب مسند آکر کوئی
درخواست پیش کی وہ لیکر مسند پر رکھی۔ دوسرے صاحب شاید اودھ کے
رہنے والے دو تین سال کے امیدوار نے قریب مسند آکر ایک رباعی
پیش کی۔ صرف ایک شعر یاد رہگیا۔

کچھ نہ پوچھو کہ کیا پیتے ہیں کیا کھاتے ہیں
بیٹھ کر روزمیانہ میں ہوا کھاتے ہیں،

وزارت پناہ نے مسکرا کر وہ قطعہ بھی مسند پر رکھ لیا۔ میں نے
اپنے دل میں کہا کہ یہ حکومت اور یہ اخلاق سبحان اللہ! پھر میں نے
دیکھا کہ میں دوسرے کمرہ میں گیا ہوں۔ وزارت پناہ مسند پر جلوہ فرما
اور بستے کاغذات کے گرد مسند ایک کاغذ و پنسل بدست مسند کے
قریب خانگی ملازمین ملبس در لباس دکھنی مثل میر رضا علی استاد و داروغہ
عبدالوہاب و گوکا تھور علی ادب سے بیٹھے ہوئے آپس میں مودبانہ ظرافت
سے چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں اور خود بدولت بھی لکھتے لکھتے ان کی طرف
پر تبسم فرماتے جاتے ہیں۔ اب یہاں سماں بدلا۔

میں نے دیکھا کہ میں چار مینار کے دالان میں کھڑا ہوں
اور آواز طبل و نقارہ آرہی ہے کہ یکا یک ایک فیل پاسہ کوہ بلند
دنداں دراز جس پر سودا کا شعر صادق ہو۔

ہاتھ لیلیٰ نے نکالے ہیں سیہ خیمے سے،
سن کے مجنوں کے کہیں سلسلۂ پا کی جھنک

نظر آیا اور اس پر ایک مرد ریش دراز ایک بلند نشان در دست نشستہ
ہے۔ اس کے پیچھے دو سوار نقارہ زنان اور عقب میں ہجوم برقندازان
جھنڈیاں بدست۔ ان کے بعد ایک جمعیت پیدلوں کی قدیم فرانسیسی وردیاں
پہنے ہوئے بندوق بدوش اور انکے پیچھے چند سوار دکھنی لباس،
پہنے ہوئے ڈھال تلوار وغیرہ سے آراستہ۔ الغرض یہ سلسلہ ختم نہ ہونے
پایا تھا کہ معلوم ہوا کہ نواب شمس الامرا امیر کبیر عمدۃ الملک بہادر عرف
منجھلے میاں کی سواری سالہائے دراز کے بعد نکلی ہے اور صاحب عالیشان
بہادر ریزیڈنٹ سے ملنے تشریف لیجا رہے ہیں۔ پھر مجھ کو محسوس ہوا کہ،
گویا کسی نے مجھ کو ریزیڈنسی کے قصر عظیم الشان کے زینے کے،
ایک قدمچہ پر کھڑا کردیا ہے۔ اور یہی جلوس یکے بعد دیگرے سامنے سے گذر رہا
ہے۔ نیم ساعت یا اس سے زیادہ کے بعد ایک ہوچا قریب زینہ کے پہنچا
اور ریزیڈنٹ بہادر بعجلت ممکنہ تا لب زینہ آخر آئے اور دست بدست
نوابصاحب کو اوپر لے گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ گویا میں نوابصاحب کی
ڈیوڑھی میں ہوں۔ ایک مختصر سا جلوہ خانہ اطراف میں حجرہ ہائے پہرہ داران
ونشست شاگرد پیشگان اور سامنے ایک مختصر سہ دری ہے۔ دو دروں میں،
پردے پڑے ہوئے ہیں کہ اتنے میں ایک لحیم و شحیم شخص لمبا قد سفید ریش
دراز۔ کمر میں پیش قبض لگا ہوا ملبس بلباس دکھنی میرے روبرو آیا۔ معلوم
کہ یہ محمد شکور خاں ناماں ڈیوڑھی مبارک ہے۔ مجھ کو اپنے ساتھ سہ دری،
میں لے گیا۔ ایک نہایت مختصر دالان۔ میز۔ کوچ۔ کرسی سے معمور،
دری چاندنی کا فرش۔ ایک در کے کنارے پر مسند بچھی ہوئی۔ اس کے

پس پشت ایک چھوٹی سی الماری۔ مسند پر خود بدولت رونق افروز، دستار آصفجاہی برسر نحیف وضعیف چہرہ مثل جامہ کہ دربر تھا۔ سفید ریش تراشیدہ چہرہ سے کمال درجہ رعب امارت عیاں عمر نود سال کمال شان و شوکت سے تکیہ بر پشت مسند زدہ۔ ایک کتاب سامنے رکھی ہے۔ میں نے آگے بڑھکر مؤدبانہ سلام کیا۔ مسند کے قریب بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔

میں نے اس کتاب پر نظر ڈالی۔ ارشاد ہوا کہ یہ کتاب علم ہیئت میں ہے۔ کیا تم عربی پڑھے ہوئے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ نہ اس قدر کہ اس کتاب کے مطالب کو سمجھ سکوں۔ فرمایا کہ تم انگریزی داں لوگ تو اپنی ہی مکتسبہ علم پر نازاں ہو۔ تم نے ہمارا جہاں نما نہیں دیکھا اور اس آہنی کوے کو بھی نہیں دیکھا جو تمہاری بات کا جواب دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سبحان اللہ! یہ صفت بھی ایک اعجاز و کرامات ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم مختار الملک سے ملے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میں وہیں سے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہ مختار الملک میرا بچہ ہے مگر ہمارے واسطے اس کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ نہایت دور اندیش خوش فکر۔ عین وقت پر انتقال ذہن کا مشاق۔ ناصر الدولہ فرماتے تھے کہ مابدولت و اقبال نے خاندان دیوانی کے کچرے میں سے یہ ہیرا نکالا ہے۔ اور ہم تو از کار رفتہ ہو چکے۔ بقول شخصے

"سُن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ"

پھر میں نے دیکھا کہ میں پیشکار سلطنت آصفیہ مہاراجہ نرنِدر بہادر کی ڈیوڑھی پر پہونچا ہوں۔ گرم موسم اور گرمی کا وقت ہے۔ اٹھل نامی جمعدار۔ سیاہ رنگ۔ بھدا جسم ہے۔ شاگرد پیشہ نے مجھ سے کہا کہ مہاراجہ بہادر تہوانرے میں تشریف فرما ہیں۔ خلاصہ این کہ بعد اطلاع مجھ کو اس نے تہوانرے میں بلالیا۔ اندر اس قدر اندھیرا تھا کہ شب دیجور بھی اس کے آگے شرمائے۔ اتنے میں خود بدولت نے آواز دی کہ آگے بڑھو۔ میں نے اسی آواز پر سلام ادا کیا۔ اس عرصہ میں آنکھ بھی عادی اس اندھیرے کی ہو گئی تھی۔ میں نے دیکھا آپ دکھنی انگرکھا دربر۔ مشائخ نما عمامہ برسر ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں سرخ سفید رنگ مگر یک گونہ مرجھایا ہوا اور قریب میں ایک اور تخت ہے جس پر کتابوں کا انبار ہے۔ ایک کتاب ہاتھ میں ہے۔ مجھ کو اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا اور کہا کہ کتاب شیخ بوبی (یا کچھ ایسا ہی نام لیا)

رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف علم عملیات میں ہے۔ اسی اثنا گفتگو میں فرمایا کہ ذکر مبارک رسول اللہ معہ اسم گرامی ہمارے اتھرون وید کے فلاں اشلوک میں ہے۔ عجب تر اینکہ ہمارے ہاں بھی اوتار برابر آتے رہے ہیں مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم اب نہ آئیں گے۔ یہی حال انبیاء بنی اسرائیل کا ہے۔ کسی نے اپنے تئیں خاتم نہیں کہا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ مسیح بھی پھر آنے والے ہیں۔ سوائے پیغمبر عربی کے کہ آپ نے اعلان فرما دیا کہ میں خاتم سلسلہ رسالت ہوں اور واقعی ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے بعد پھر صاحب شریعت کسی ملک میں پیدا نہیں ہوا۔ اتنے میں موکل خواب مجھ کو نواب وقار الامرا امیر کبیر ثالث کی ڈیوڑھی میں لے گیا۔ ایک باغ وسیع پر فضا کے بیچ میں ایک بلند و بالا کوٹھی ہے۔ نیچے کے حصہ میں شاپور جی میانہ قد۔ گندم رنگ۔ سیاہ کوٹ دربر کلاہ چمنی نما برسر نے مجھ سے کہا کہ آپ بیٹھیے، میں اطلاع کرتا ہوں۔ یہ وہ پارسی ہے جس نے اپنے آقائے ولی نعمت کی خیر خواہی میں مختار الملک کے مانند ہوشیار وزیر کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا۔ خلاصہ اینکہ شاپور جی مجھ کو بالاخانہ پر لیگیا۔ ایک وسیع دالان کے بیچ میں مسند پر خود بدولت ہر طرف تکیوں کے سہارے مگر سپاہیانہ اکڑ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ داڑھی خشخاشی موئے سر تراشیدہ، موچھیں چڑھی ہوئیں ایسی کہ ایک لیمو رکھ لیا جائے۔ دستار خاندانی برسر۔ میانہ قد سبزہ رنگ تیور چڑھے ہوئے۔ ڈھال تلوار قریب مسند، میرا سلام بھی بے رخی سے لیکر بیٹھنے کا حکم دیا اور مجھسے فرمایا تم جانتے ہو ہمارا خاندان قدیم الایام سے تم لوگوں سے سلوک کرتا ہے۔ کیا تم ہمزہ علیخاں سے نہیں ملے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ اکثر مجھسے ملتے رہتے ہیں۔ فرمایا انھیں سے پوچھو۔ پھر فرمایا کہ تم تو مختار الملک نمک حرام کے بڑے خیر خواہ ہو ہر وقت انکی تعریف گوش گزار حضرت اقدس و اعلیٰ سے کرتے رہتے ہو۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ خدا خیر کرے۔ اور عرض کیا کہ اگر یہی خیال سرکار کا ہے تو مجھکو اس خدمت سے ہٹاکر اضلاع میں بھجوا دیجئے۔ پھر فرمایا کہ پھر کیوں نہیں تم ہمارے سلوک قدیم کا خیال کر کے ہماری خیر خواہی کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں تو میری عزت ہے۔ یہ سنکر مزاج دھیما ہوا اور شاپور جی سے کہا کہ انکو لیجا کر برخوردار اقبال الدولہ سے ملاؤ۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مختار الملک نے تم آفاقیوں کو ہماری ریاست میں بھر دیا جو ہمارے،

آداب دربار اور ہماری معاشرت قدیمہ سے ناواقف اپنا پیٹ بھرنیکو آئے ہیں۔ اپنے ہی خیر خواہ ہیں۔ یہ کہکر پھر میری طرف دیکھا اور کہا کہ میں اس رافضی بچہ سے نہیں ڈرتا ہوں۔ شوق سے تم اس سے کہدینا۔ میں نے عرض کیا۔ خداوندنعمت میں ایک غریب آدمی۔ ملازمت پیشہ ہوں اور نمام نہیں ہوں۔ اگر یہی خیال آپ کا میری نسبت ہے تو مجھکو اپنی ڈیوڑھی مبارک کی کوئی خدمت عطا فرمادیجئے۔ ہنوز نواب مردمیدان کی آواز میرے کان میں گونج رہی تھی کہ ملک الخیل مجھکو نواب مستطاب امیر کبیر شمس الامرا خورشید جاہ بہادر کی ڈیوڑھی میں لے گیا۔ ایک وسیع صحن ہے جسکے روبرو سربفلک کشیدہ دیوار میں بلند دروازہ۔ پہرہ داران وردی پوش۔ بندوق بدوش ٹہل رہے ہیں۔ ایک طرف ایک گروہ چابک برداروں کا چابک بدست کھڑا ہے۔ ایک مختصر سی بارہ دری۔ ہر در پر پردہ ہائے بنات بندھے ہوئے ہیں۔ میں چند قدم جانب بارہ دری بڑھا تھا کہ سید میرو وغیرہ شاگرد پیشان میرے پاس آیا اور کہا کہ سرکار نماز ادا فرما رہے ہیں۔ مگر مجھکو حکم ہوا کہ میں آپ کو مسند کے پاس لاکر بٹھادوں چنانچہ میں نے دیکھا کہ نوابصاحب اونچا گاؤتکیہ روبرو نماز میں مشغول ہیں میانہ قد۔ دوہرا جسم۔ سرخ و سفید رنگ۔ انگرکھا چوبیدار زیب تن اسقدر باریک کہ جسم مبارک کی سرخی اسمیں سے چھن رہی ہے۔ خشخاشی ریش۔ سر تراشیدہ۔ دستار آصف جاہی مع ایک سنہری طرہ برسر۔ عام حالت سے کمال درجہ رعب و داب امارت عیاں ہے۔ بعد فراغت نماز میری طرف مخاطب ہوئے۔ میں نے سروقد اٹھکر مراسم نیاز ادا کئے فرمایا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ عرصے سے قدمبوسی حاصل نہیں ہوئی اسی خیال سے حاضر ہوا ہوں۔ اس عرصہ میں سید میرو نے عرض کیا کہ متصدیان کارخانہ ہائے متفرق بامید باریابی حاضر ہیں۔ میں نے یہ سنکر اٹھنا چاہا مگر حکم ہوا کہ بیٹھے رہو۔ خلاصہ اینکہ ہر متصدی اپنی باری سے باریاب ہوتا۔ کاغذات ملاحظہ میں پیش کرتا۔ دستخط لیتا اور برخاست کیا جاتا۔ اخیر میں میں نے دیکھا ایک ظرف جس کو ٹوکرا کہنا چاہیئے مسند کے روبرو رکھا گیا اور متصدی اس میں سے ہر چیز ملاحظہ کراتا جاتا تھا۔ منجملہ ایک زنگ لگا ہوا ٹین کا ظرف بھی ملاحظہ میں پیش ہوا۔ میں نے بغور اس کو دیکھا۔ مسکراکر فرمایا کہ آپکو تعجب ہوا۔ چونکہ یہ ظرف قدیم سے مندرج فہرست رہتا آیا ہے۔ متصدی کی مجال نہ تھی کہ ملاحظہ میں پیش نہ کرتا۔ تمنے آصفجاہ کی حکایت نہیں سنی کہ زنانہ ڈیوڑھی مبارک کے روبرو جو شبینہ روغن جلا کرتا تھا۔ اس کی فرد پیش ہوئی۔ اسکو دیکھکر متصدی سے پوچھا کہ آج دو تولہ روغن فرد میں کیوں زیادہ مندرج ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم تو غریب آدمی ہیں۔ آصف جاہ کو دیکھو کہ چند ممالک کے رئیس ایک متصدی سے روغن کی زیادتی کا سبب دریافت کر رہے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ میں نے نواب مختار الملک بہادر کا انتظام خانہ داری بھی دیکھا ہے۔ مگر سرکار کا قدم آگے بڑھا ہوا ہے۔ مسکراکر فرمایا کہ میرا کارخانہ تو مختصر ہے۔ مختار الملک تو ایک سلطنت کا ذمہ دار ہے۔ اگر وہ اسقدر محنت نہ کرے تو معاملہ اندھا دھند ہوجائے بازہم اس نے ایک بہت بڑی غلطی یہ کی ہے کہ اپنے بلدہ والونکو حقیر کیا ہے اور آفاقیوں کو ریاست میں دخیل کر رکھا ہے۔ کوئی مدراسی کوئی بمبئی والا۔ کوئی ہندوستانی ہے۔ اگر اہل بلدہ زمانۂ حال کے انتظامات سے ناواقف ہیں تو کیا ہم انکو واقف نہیں بناسکتے۔ پھر یکایک میری طرف بغور دیکھکر اور مسکراکر فرمایا کہ تم اس اعتراض سے بری ہو۔ میں اٹھکر آداب بجالایا تھا کہ میں نے اپنے تئیں ایک وسیع باغ میں پایا۔ سامنے ایک بلند و بالا کوٹھی۔ اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے آراستہ شاگرد پیشگان ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں۔ چار خوری کا وقت ہے۔ نواب فخر الملک برامدہ میں ایک کوچ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سانولا رنگ دہرا جسم۔ کلاہ زرنگار۔ گوشہ خمیدہ برسر۔ دکھنی انگرکھا چوبیدار در بر۔ مجھکو دیکھکر فرمایا کہ حضرت آئیے۔ آپ تو ہمکو بھول گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں خود اپنے تئیں بھولجاؤں تو آپکو بھی فراموش کردوں۔ فرمایا کہ میں بھی مثل دیگر شاگردونکے آپکو نہیں بھولسکتا۔ یہ آپکی تعلیم کا اثر ہے کہ ہم اپنے امور میں غیرونکی امداد کے محتاج نہیں ہیں۔ دیکھئے آخر آسمان جاہ کا کیا حال ہوا۔ مہدی حسن جیسے آفاقی کو اپنا مشیر بنایا اور آخر معزول کئے گئے میں کچھ جواب دیا چاہتا تھا کہ غنودگی دفع ہوگئی اور میں نے اپنے تئیں علیگڈھ میں آرام کرسی پر دراز پرچہ سرگزشت بدست پایا زبان پر یہ شعر کسی قدیم شاعر کا جاری ہوگیا۔

جو شفیق وانہیں کوئی نہ ملا تو غزال رمیدہ سے انس کیا
ہمیں بیوطنی نے مزہ یہ دیا کہ ذرا بھی خیال وطن نہ رہا

نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم



نواب سر سالار جنگ بہادر دی گریٹ مرحوم



نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم



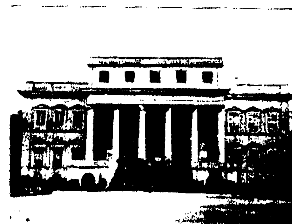
نواب میر یوسف علی خان بہادر سالار جنگ سویم



مہاراجہ نرندر بہادر آنجہانی



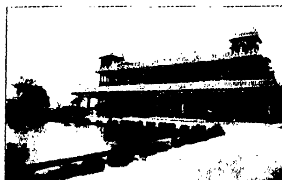
بارہ دری نواب سر خورشید جاہ بہادر



نواب سرور جنگ بہادر



بارہ دری نواب سر سالار جنگ بہادر



منظر چار منار



آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مختصر تاریخ و مقاصد

از محمد اکرام اللہ خاں ندوی۔ سلطان جہاں منزل
علی گڑھ

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مختصر تاریخ و مقاصد

ہندوستان میں جب اسلامی حکومت تھی تو اپنی تعلیمی یا مذہبی ضروریات کا انتظام خود مسلمانوں کے ذمہ نہ تھا بلکہ یہ حکومت کا فرض تھا۔ البتہ بعض جلیل القدر علماء و مشائخ بھی اپنی مسند درس یا خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کو ظاہری یا روحانی تعلیم دیتے تھے اور ان بزرگوں کی تعلیم و فیض صحبت سے بہت سے لوگ متمتع ہوتے تھے۔ سلاطین عموماً ان بزرگوں کی عزت کرتے اور ان کو فکر معاش سے مستغنی کر دیتے تھے۔ لیکن بہت سے علماء و مشائخ ہر زمانہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو حکومت کی اعانت قبول نہیں کرتے تھے۔ خود کسب معاش بقدر حاجت کرتے یا جس طرح بھی ممکن ہوتا فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے۔ غرض عام مسلمانوں کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ اپنی قوم کی تعلیمی یا مذہبی ضروریات کے لئے کوئی خاص سرمایہ فراہم کرکے عام طور پر ملک میں اُس کا انتظام کریں۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ارباب خیر طلباء کی اعانت کرتے اور مشائخ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتے جو عموماً ان مہمانوں پر صرف ہو جاتا تھا جو ان بزرگوں کی خدمتمیں روحانی برکات حاصل کرنے آتے تھے۔

انقلابِ حکومت

اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا زمانہ بدل گیا۔ حکومت میں انقلاب ہوا اور ایک ایسی قوم ہندوستان پر حکمراں ہوئی جو بہ لحاظ اپنی معاشرت وطنیت و مذہب مسلمانوں سے بالکل مختلف تھی اور ایسے ملک پر حکمراں ہوئی جہاں مختلف عقائد و مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ ایسی حالت میں اس قوم سے یہ توقع تو ہو نہیں سکتی تھی کہ وہ ہماری مخصوص قومی یا مذہبی ضروریات کو پورا کرے گی۔ اسکے لئے تو سب قومیں و مذہب یکساں تھے۔ اُس کو کسی مشرب یا مذہب سے تعلق نہ تھا۔ گویا مشرق و مغرب کا فرق تھا۔ اس لئے ہندوستان کی ہر قوم کو بجائے خود اپنی قومی ضروریات کا انتظام کرنا پڑا۔ حکومت نے دوسروں کی ضروریات میں اُسی حد تک حصہ لیا جہاں تک عام حیثیت سے اس نے مناسب سمجھا۔ اُس کو کسی جماعت کی مخصوص ضروریات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔

ہندوؤں کی دوربینی

سب سے پہلے ہندوؤں نے اس تبدیل شدہ حالت کو محسوس کیا۔ وہ سمجھ گئے کہ ہوا کا رُخ اب کیا ہے اور ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟ مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں نے فارسی پڑھی، مشرقی علوم و فنون میں بقدر ضرورت دستگاہ بہم پہنچائی اور حکومت کے ملکی و فوجی عہدوں پر فائز ہوئے۔ ایک معمولی سپاہی سے لیکر بڑے بڑے عہدوں یہانتک کہ فوج کی سپہ سالاری اور وزارت پر بھی پہنچے اور ایسا ہی عروج و اقتدار حاصل کیا جیسا کہ اپنی ایک ملکی و وطنی حکومت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

غرض انقلاب حکومت کے بعد جب ہندوؤں نے دیکھا کہ "زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد" تو بجائے فارسی پڑھنے یا مشرقی علوم حاصل کرنے کے وہ موجودہ حکمراں قوم کی زبان و علوم حاصل کرنے پر متوجہ ہوئے تاکہ جو قوت و اقتدار ان کو اسلامی حکومت میں حاصل تھا وہ اب بھی حاصل رہے۔ اگرچہ جدید حکومت کے آغاز میں بظاہر نظام حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی نہ دفاتر کی زبان بدلی، نہ عہدوں کے لئے انگریزی دانی کی ضرورت سمجھی گئی بلکہ جس طرح مشرقی علوم کے اچھے تعلیم یافتہ لوگ بہ لحاظ اپنی قابلیت اُس زمانہ کے لحاظ سے اسلامی حکومت میں مختلف عہدوں پر مامور ہوتے تھے اب بھی ہوتے رہے جن میں مسلمانوں کی تعداد قدرتاً زیادہ تھی، کیونکہ وہ درحقیقت حکمراں قوم کے افراد تھے۔ حکومت کے نظم و نسق کا اُن کو زیادہ تجربہ تھا۔ عوام کے دلوں پر ان کی عظمت قائم تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان عہدوں کے لئے جس علمی قابلیت و لیاقت کی اُس زمانہ کے لحاظ سے ضرورت تھی وہ مسلمانوں کو زیادہ حاصل تھی۔ اس کے علاوہ موجودہ حکومت کی سیاسی دانشمندی بھی اس کی مقتضی تھی کہ مسلمانوں کو ان عہدوں پر قائم رکھیں تاکہ

و انقلاب حکومت کی تلخیاں ان کو ابتدا ہی اس طرح محسوس نہ ہوں کہ پھر ان کے دل میں حکومت اور از دست رفتہ اقتدار حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو یا وہ کسی ایسی تحریک میں شامل ہو جائیں جس کا مقصد موجودہ حکومت میں انقلاب پیدا کرنا ہو۔

غرض یہ سب کچھ تھا مگر جن لوگوں میں کچھ بھی سمجھ تھی وہ جانتے تھے کہ یہ حالت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ حکمراں قوم کی زبان اور علوم دفعتہً نہیں پھیل سکتے، لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ یہ علوم پھیلیں گے اور، جب ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو اربابِ حکومت سے خود انکی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں تو یقینی طور پر اس حالت میں تبدیلی پیدا ہوگی دفاتر کی زبان بدل جائے گی اور قدیم طرز کے تعلیم یافتہ لوگ رفتہ رفتہ حکومت کے دفاتر سے خارج ہو جائیں گے اور انگریزی تعلیم یافتہ جو مغربی خیالات اور طریقہ کار سے آشنا ہیں ان عہدوں کو حاصل کرینگے اس دور بینی اور عاقبت اندیشی کی بنا پر سب سے پہلے ہندو انگریزی حاصل کرنے کے لئے متوجہ ہوئے اور اس کے کچھ مدت بعد ہی انکو سیاسیات کا ذوق اور پولیٹیکل حقوق حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، جسنے آخر کار قومی و اجتماعی رنگ میں "انڈین نیشنل کانگریس" کی صورت اختیار کی اور اس کانگریس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں گورنمنٹ سے مختلف مطالبات کئے گئے۔

سرسیّد مرحوم کی تحریک

یہی زمانہ تھا جب سرسیّد احمد خاں مرحوم کو خاص مسلمانوں کی ایک کانگریس قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس زمانہ سے قریباً . اسال پہلے وہ مسلمانوں کے لئے قومی چندہ سے ایک تعلیم گاہ کا سنگِ بنیاد رکھ چکے تھے جس کو وہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی مرکزی تعلیم گاہ بنانا چاہتے تھے۔ کسی ایک ضلع یا صوبہ کے مسلمانوں کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ اتنا سرمایہ بہم پہنچا سکیں جو ایک اعلیٰ درجہ کے کالج یا، سرسید مرحوم کے بلند تخیل کے لحاظ سے ایک مسلم یونیورسٹی اور جامعہ اسلامیہ کی تاسیس و قیام کے لئے کافی ہو، اس لئے سرسید مرحوم یہ چاہتے تھے کہ اپنی تعلیمی تحریک کی اشاعت تمام ہندوستان میں، کریں اور اس کے لئے یہی تدبیر ہو سکتی تھی کہ وہ بھی ایک کانگریس قائم کریں اور اس میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دیں اور ہر سال ہندوستان کے کسی شہر میں اُسکا اجلاس منعقد کیا کریں۔ اس مقصد کے علاوہ ایک اور مقصد بھی پیش نظر تھا۔ اُس، زمانہ میں نیشنل کانگریس قائم ہو چکی تھی جو اپنے نام "نیشنل" کے لحاظ سے ہندوستان کی کسی قوم سے مخصوص نہ تھی اور مسلمانوں کو بھی شرکت کا پیام دے رہی تھی۔ لیکن اُس زمانہ کے حالات و مصالح کے لحاظ سے سرسید مسلمانوں کے سیاسی رجحانات کو روکنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُس زمانہ کے بعض باخبر اصحاب کا جو سرسید مرحوم کے گرد و پیش رہتے تھے بیان ہے کہ کانفرنس کے قیام کا ایک یہ مقصد بھی تھا کہ کانگریس ہی کے اجلاس کے زمانہ میں ایک تعلیمی کانگریس کا اجلاس کر کے مسلمانوں کو نیشنل کانگریس کی شرکت سے روکا جائے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں میں تعلیم نہیں تھی اس لئے سرسید نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان قبل از وقت پالیٹکس میں مبتلا ہو کر تعلیمی مقاصد سے غافل ہو جائیں۔ اُن کا خیال تھا کہ سب چیزوں کا واحد علاج اعلیٰ درجہ کی مغربی تعلیم ہے۔ جب مسلمان تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو خود بخود ان کو اپنی قومی ضرورتوں کا احساس پیدا ہوگا اور اپنا صحیح راستہ تلاش کر لیں گے۔ کسی کی راہ نمائی کے محتاج نہ ہوں گے جیسے کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ سرسید مرحوم نے کانفرنس کے سب سے پہلے بنیادی اجلاس میں خود بھی ان امور کیطرف اشارہ کیا ہے۔

غرض یہ حالات تھے جو کانفرنس کے قیام کا باعث ہوئے جسکا نام اُس زمانہ میں صرف "محمدن ایجوکیشنل کانگریس" تھا۔

ایجوکیشنل کانگریس کا قیام

اُس کانگریس کا سب سے پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ پہلے اجلاس میں علاوہ کالج کے طلبار کے ۶۱۔ اصحاب شریک ہوئے جو سب کے سب یا تو ممبر تھے یا اجلاس میں کام کرنے والے۔ مثلاً کسی رزولیوشن کی تحریک یا تائید کرنے والے۔ پہلے سال کے کل ممبروں کی تعداد ۸۷ تھی مگر سب شریک نہ ہو سکے۔ ممبر سے مراد وہ اصحاب تھے جنہوں نے پانچ روپیہ ممبری کی فیس عطا کی تھی۔

اس زمانہ میں اسٹریچی ہال ناتمام و زیر تعمیر تھا، اسی میں جلاس ہوا۔ ایک عظیم الشان شامیانہ بنایا گیا۔ اس کے نیچے دو سو پچاس کرسیاں

بجھائی گئیں۔ مہمانوں کے قیام کے لئے دو بنگلے اور دس خیمے مرتب و آراستہ کئے گئے۔ لیکن جس قدر مہمانوں کے آنے کی توقع تھی نہیں آئے۔

اجلاس کے صدر سر سید مرحوم کے شریک کار مولوی محمد سمیع اللہ خاں بہادر سی۔ ایم۔ جی تھے۔ پانچ رزولیوشن اجلاس میں پیش ہو کر منظور ہوئے ان رزولیوشنوں کی تحریک یا تائید کرنے والوں میں خود سر سید مرحوم مولانا محمد شبلی نعمانی، مولوی محمد عزیز مرزا، خواجہ سجاد حسین بھی شامل تھے۔ ایک رزولیوشن کی تائید صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے بھی کی تھی جو اس زمانہ میں کالج کے طالب علم تھے مگر قومی معاملات سے ذوق رکھتے تھے

سب سے پہلے صدر نے اپنی افتتاحی اسپیچ میں اس اجلاس کی اہمیت واضح کر کے اُس کی ضرورت و مقاصد کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے فرمایا

"آج کا جلسہ ایک ایسا جلسہ ہے کہ جو مسلمانوں کی تاریخ میں اگر وہ لکھی جائے گی تو ایک بے نظیر جلسہ شمار کیا جاویگا"

اس کے بعد فرمایا۔ "اگر ہماری قوم آپس میں متفق ہو کر اور صلاح و مشورہ کر کے اور ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہو کر کوئی مضبوط طریقہ قوم کی تعلیم اور ترقی کا اختیار کرے تو بلاشبہ قوم کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے حاصل ہونیکو اس کانگریس سے جس کا آج پہلا اجلاس ہے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے اس طریقہ سے تمام لوگوں کو جو قوم کی بھلائی چاہتے ہیں اس بات پر غور کرنے کا بخوبی موقع ملے گا کہ ان کی قوم کی تعلیم کا سب سے عمدہ کونسا طریقہ ہے جس سے اُن کی قوم جہالت سے نکلے اور ایسی نامور ہو کر اور ملک کے لوگ بھی اس کو مہذب اور تعلیم یافتہ سمجھیں"

ایجوکیشنل کانگریس کا مقصد

کانفرنس کے اس پہلے اجلاس میں سر سید مرحوم نے جو سب سے پہلا رزولیوشن کانفرنس کی تاسیس و قیام کے متعلق پیش کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کانفرنس کے قیام کا کیا مقصد تھا۔ چونکہ بوجہ امتداد زمانہ اب اس رزولیوشن نے ایک تاریخی حیثیت اختیار کر لی ہے اور اُس سے موجودہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کا مقصد واضح ہوتا ہے اس لئے ہم اُس کو بہ لفظ نقل کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے۔ "مسلمانوں میں ہر قسم کی تعلیم کے تنزل کا لحاظ کر کے اور اس خیال سے کہ اُن کی ہر قسم کی تعلیم کی ترقی میں قومی اتفاق اور قومی امداد سے کوشش کی جاوے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال اُن امور پر غور کرنے کے لئے مختلف اضلاع کے لوگوں کا ایک جلسہ ہوا کرے جو محمدن ایجوکیشنل کانگریس کے نام سے موسوم ہو۔ یہ جلسہ کسی خاص مقام پر مخصوص نہ ہوگا بلکہ ہر سال کسی ایسے مقام میں جہاں کے لوگ اُس جلسہ کے منعقد ہونے کی خواہش کریں اور اُس کا انتظام منظور فرماویں منعقد ہوا کرے گا۔"

سر سید نے اس تجویز کو پیش کرتے وقت جو تقریر کی اُسمیں وضاحت سے بتایا کہ اس کانگریس کے قائم کرنے سے کیا مقصد ہے انہوں نے فرمایا۔ "اے صاحبو! جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پولیٹیکل امور پر بحث کرنے سے ہماری قومی ترقی ہوگی میں اس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ میں تعلیم کی ترقی کو اور صرف تعلیم ہی کو ذریعہ قومی ترقی کا سمجھتا ہوں۔ ہماری قوم کو اس وقت بجز ترقی تعلیم کے اور کسی چیز پر، کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے .... اس وقت تک ہمارا یہ حال ہے کہ گو ہم ایک قوم مسلمان کہلاتے ہیں مگر ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے والوں سے ایسے ہی ناواقف ہیں جیسے کوئی اجنبی قوم ایک دوسرے کے حال سے ناواقف ہو"

"ہم نہیں جانتے کہ پنجاب کے لوگوں کو اپنی قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت کیا خیال ہے اور انھوں نے کیا کیا ہے اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ پنجاب تو ایک دوسرا صوبہ ہے۔ ہم اپنے صوبہ کے ہی ایک ضلع کے رہنے والے دوسرے ضلع کے رہنے والوں کے حال سے محض ناواقف ہیں۔ کوئی ذریعہ ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ مختلف اضلاع کے لوگ کسی موقعہ پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں۔ ایک کے حال سے دوسرے کو آگاہی ہو۔ ہم آپس میں مل کر اپنے خیالات جو قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت ہوں دوسروں پر ظاہر کر سکیں۔ ایکدوسرے کے خیالات سے تبادلہ ہو۔ جو غلطی ہمارے خیال میں ہو وہ دوسروں کے خیال سے بخوبی اصلاح پاوے۔ مختلف اضلاع کے لوگوں کے باہم جمع ہونے سے آپس میں واقفیت، آپس میں محبت اور اخلاص باہمی ہمدردی اور یگانگت پیدا ہو"

اس کے بعد سر سید مرحوم نے باہمی مشورت اور مباحثہ کے فائدے

بیان کرکے فرمایا۔

"انھیں خیالات سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہر سال مسلمانوں کی تعلیم اور ترقی پر غور کرنے کے لئے مختلف مقامات و مختلف صوبجات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوا کریں اور ایک صوبہ اور ضلع کے لوگوں کے ذریعہ سے دوسرے صوبہ اور ضلع کے مسلمانوں کو حالات معلوم ہوتے رہیں اور جو تدابیر ان کی بھلائی اور ترقی کی نسبت سوچی جاویں، ان پر بحث و مباحثہ ہو کر جو تدبیر عمدہ قرار پاوے وہ اختیار کیجائے یہ سالانہ جلسہ جیسے کہ آپ نے رزولیوشن پیش شدہ سے معلوم کیا ہوگا کسی ایک مقام کے لئے مخصوص نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر ایک صوبہ و شہر میں جہاں کے لوگ اس کی خواہش کریں منعقد ہو سکیگا اور اس سے یہ فائدہ ہے کہ جو لوگ کسی سبب سے ایک مقام کے جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے ہیں وہ دوسرے مقام کے جلسہ میں شامل ہو سکیں گے اور اس تدبیر سے جلسہ کے فوائد زیادہ تر عام ہو جائینگے"

سرسید کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی قوم کی تعلیم کے لئے جو کچھ کریں وہ اجتماعی قوت اتحاد عمل اور ہم آہنگی سے کریں کیونکہ انفرادی کوششیں کسی عظیم الشان مقصد کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ کارآمد نہیں ثابت ہوتیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی بلند نظری کے لحاظ سے اپنے کام کو ایک مرکزی حیثیت دینا چاہتے تھے اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جبکہ کانگریس کا اجلاس ہندوستان کے ہر حصہ میں منعقد ہو سکے تاکہ اس تحریک سے لوگوں کو عام دلچسپی پیدا ہو۔ اس پہلے اجلاس کے زمانہ میں انکی تحریک و رہنمائی سے کانگریس کے جو قواعد و مقاصد مرتب ہو کر منظور ہوئے ان میں یہ بھی تھا۔

"جہانتک ممکن ہو ہر شہر و قصبہ میں کانگریس کے مقاصد کے لئے کمیٹیوں کا قائم کرنا مگر جہاں جہاں انجمن اسلامیہ قائم ہیں اگر وہ انجمنیں کانگریس کے مقاصد کی انجام دہی منظور کریں تو وہی انجمنیں اس مقام کے لئے کانگریس کی کمیٹیاں تصور کی جائیں گی۔"

گویا سرسید کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمام ہندوستان میں کانگریس کا ایک جال بچھا کر مسلمانوں کو منظم کردیں اور ایک مرکزی طاقت ہو جو تمام مسلمانان ہند کی رہنمائی کرے۔ آج ملک میں تنظیم کا غلغلہ بلند ہے اور اب ہر شخص اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ یہ چیز ۱۸۸۶ء میں سرسید کے پیش نظر تھی۔ اگر مسلمانوں میں صحیح احساس ہوتا اور اجتماعی حیثیت سے کام کرنے کی صلاحیت ہوتی تو اب سے چالیس سال قبل وہ اس طرح منظم ہو چکے ہوتے کہ جو آواز علی گڑھ سے بلند ہوتی وہ تمام ہندوستان میں گونج اٹھتی۔ اور ان کی طاقت ناقابل مدافعت ہو جاتی۔

ایجوکیشنل کانگریس کا نظام عمل

سرسید نے ان لوکل کمیٹیوں کے جو فرائض قرار دئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے تھے اور کس کس طرح علی گڑھ کو مسلمانان ہند کے متعلق صحیح معلومات کا مرکز اور ہر قومی تحریک کا سرچشمہ بنانا چاہتے تھے۔ حسب ذیل الفاظ سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے کام کا کیا پروگرام تجویز کیا تھا۔ ذرا توجہ و غور سے ملاحظہ کیجئے، وہ لکھتے ہیں۔

ان کمیٹیوں کو اپنے نواح یا اپنے ضلع یا شہر یا قصبہ کی نسبت ہر سال ایک کیفیت امور مندرجہ ذیل کی مرتب کرکے بذریعہ کسی ڈیلیگیٹ کے اجلاس کانگریس میں پیش کرنی لازم ہوگی۔ لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی ڈیلیگیٹ نہ بھیج سکے تو بذریعہ ڈاک سکرٹری کانگریس کے پاس بھیجنا لازم ہوگا۔

(۱) اس ضلع میں مسلمانوں کی بستیوں کی مختصر کیفیت اور تعداد مردم شماری
(۲) گورنمنٹ اسکول و کالج
(۳) مشنری اسکول و کالج
(۴) پرائیوٹ اسکول و کالج
(۵) ہندوستانی قدیم طریقے کے مکتب
(۶) قرآن مجید کی درسگاہیں
(۷) بزرگ و مقدس علماء جو قدیم طریقے کے مطابق لوگوں کو پڑھاتے ہیں
(۸) تحصیلی و حلقہ بندی کے مکتب
(۹) گورنمنٹ زنانہ اسکول
(۱۰) مشنریز زنانہ اسکول
(۱۱) قدیم مسلمانی طریقہ عورات کی تعلیم کا رواج
(۱۲) انجمنیں جو اس ضلع میں ہوں
(۱۳) اس ضلع کی مشہور صنعت و حرفت جو مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہو۔

(۱۴) عام حالت اُس ضلع کے مسلمانوں کی۔

(۱۵) ہر ایک سال کی حالت کا اُس سے پہلے سال کی حالت سے مقابلہ

کالجوں یا اسکولوں کی نسبت بیان کرنا چاہیئے کہ وہ کتنے ہیں اور کس کس جگہ قائم ہیں اور کس قسم کی ان میں تعلیم ہوتی ہے اور ہر ایک جگہ مسلمان کس قدر تعلیم پاتے ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ یہ پروگرام کس قدر جامعیت اور وسعت رکھتا ہے اور اگر ہر قصبہ و ضلع کے مسلمانوں میں ہمت و احساس ہو کہ وہ اس پروگرام کے مطابق کام کر سکیں تو کس قدر عظیم الشان فائدہ ہوا اور کام کرنے والوں کے لئے کس قدر سہولت ہو۔ یہ لوکل کمیٹیاں جن کی اس پروگرام میں تجویز کی گئی تھی بعض مقامات پر قائم ہوئیں اور انہوں نے چندروز کام بھی کیا اور اجلاس کانفرنس میں رپورٹیں بھی پیش کیں۔ یہ رپورٹیں اس قدر دلچسپ و مفید و پر از معلومات ہیں کہ تمام ضلع کی صحیح حالت اور ایک ایک چیز آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ خصوصاً جہاں مسلمانوں کے کاروبار اور نمبر ۱۳ کے مطابق اس ضلع کی مشہور صنعت و حرفت کا ذکر ہے اس سے نہایت مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اگر تمام ہندوستان کے صحیح حالات اور مسلمانوں کی زندگی کے متعلق تمام جزئیات ایک مرکزی مقام پر جمع ہو جائیں تو ذرا غور کیجیے کہ کیا کچھ کام نہیں ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اور کاموں کی طرح ان لوکل کمیٹیوں کا بھی حشر ہوا یعنی وہ قائم نہ رہ سکیں اور لوگوں کا ابتدائی جوش و ولولہ آخر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

مندرجہ بالا حالات سے ناظرین نے اندازہ کیا ہوگا کہ سرسید کا مقصد کس قدر عظیم الشان تھا لیکن افسوس کہ ان کے نصب العین کے مطابق اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بے شبہ خود سرسید نہایت اولوالعزم و بلند حوصلہ تھے لیکن جس قوم کے سامنے یہ پروگرام رکھا گیا تھا اس کو دست برد حوادث نے اس قدر پامال اور شکستہ خاطر کر دیا تھا کہ اپنے بزرگوں جیسا حوصلہ اس میں نہ رہا تھا۔ جیسا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سرسید کی زندگی میں کانفرنس کے جو گیارہ سالانہ اجلاس ہوئے ان میں سے پانچ علی گڑھ ہی میں منعقد ہوئے کیونکہ باہر سے دعوت نہیں آئی اور چھ اجلاس لکھنؤ۔ لاہور۔ الہ آباد۔ دہلی۔ شاہجہانپور اور میرٹھ میں منعقد ہوئے۔ ان مقامات میں سرسید کے احباب موجود تھے اور سرسید کا ذاتی اثر و اقتدار کام کر رہا تھا۔

انفرادی طور پر غیر معمولی عروج و ترقی کی مثالیں ہر قوم میں ملتی ہیں لیکن کسی قومی کام کو وسیع و شاندار پیمانہ پر وہی قومیں انجام دے سکتی ہیں جن میں اجتماعی حیثیت سے کام کرنے کی صلاحیت، قوتِ عمل اور استقامت موجود ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ سب چیزیں اس دور آخر کے مسلمانوں میں ہوتیں تو ان کو یہ روز بد دیکھنا ہی کیوں نصیب ہوتا۔ سرسید کی کانگریس کا مقصد و نصب العین بے شبہ بلند تھا مگر سب مسلمانوں کو نہ تو سرسید کی برابر احساس تھا نہ انکی جیسی ہمت مردانہ اور ولولہ عمل۔ اس لئے سرسید جس حد تک کانگریس سے کام لینا چاہتے تھے اس حد تک تو باوجود سعی و کوشش کامیابی نہیں ہوئی، لیکن با ایں ہمہ کانفرنس نے ایام گذشتہ میں جو کام انجام دیا اور اس کو جو کامیابی ہوئی وہ کچھ کم نہیں ہے۔ اس موقع پر یاد رکھنا چاہیئے کہ سرسید نے ایسے زمانہ میں اپنی تعلیمی تحریک شروع کی تھی جبکہ انگریزی پڑھنا شرعاً جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن چند سال کی تبلیغی مساعی کا یہ نتیجہ ہوا کہ خیالات میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور مسلمان انگریزی پڑھنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ اور بات ہے کہ افلاس اور دوسری دشواریوں کی وجہ سے وہ دوسری قوموں کی برابر ابھی تک تعلیم نہ حاصل کر سکے۔

کانفرنس کی علمی خدمات

کانفرنس نے گذشتہ چالیس سال سے زیادہ مدت میں مختلف طریقوں سے جو تعلیمی، علمی اور اخلاقی خدمات انجام دی ہیں اور مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کرنے اور ان میں احساس بیداری پیدا کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی ہیں ایک مضمون میں ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ کانفرنس نے گذشتہ زمانہ میں اپنے کام کی جو رپورٹیں شائع کی ہیں اور جو تبلیغی لٹریچر ملک میں پھیلایا ہے اسکے مطالعہ سے یہ حالات معلوم ہو سکتے ہیں لیکن بقدر گنجائش اس موقع پر بھی اختصار سے عرض کیا جاتا ہے

اشاعت تعلیم

۱۸۸۶ء سے ابتک مسلسل طریقہ سے کانفرنس مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے کے لئے کوشش

کر رہی ہے جسکا ایک طریقہ یہ ہے کہ کانفرنس ہر سال ہندوستان کے
کسی صوبہ میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرتی ہے۔ اس اجلاس میں،
علاوہ خطبۂ صدارت اور علمی لیکچروں کے اس صوبہ کے مسلمانوں،
کی تعلیمی حالت اور ضروریات پر بھی پورے طور پر مباحثہ ہوتا ہے جسمیں
عموماً اس صوبہ کے باخبر اور واقف کار اصحاب حصہ لیتے اور مقامی
مشکلات و ضروریات کو حسن و خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ غور و بحث
کے بعد ان معاملات پر رزولیوشن پاس ہوتے ہیں۔ جو دشواریاں
ایسی ہیں کہ ان کا ازالہ گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے ان کے متعلق
ان رزولیوشنوں میں گورنمنٹ سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ان مشکلات
کو دور کرکے مسلمانوں کے لئے آسانیاں بہم پہنچائے لیکن جو خامیاں
ایسی ہیں کہ مسلمان ان کی اصلاح کرسکتے ہیں ان کے متعلق ان،
تجاویز میں مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی ہے اور اگر ضرورت ہوتی
ہے تو مختلف کمیٹیاں مقامی کاموں کو انجام دینے یا مقامی ضروریات
کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے قائم کردی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ
بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والے ماہرین تعلیم اور،
سربرآوردہ مسلمان اس ضلع یا صوبہ کی حالت سے صحیح طور پر واقف
ہوجاتے ہیں اور مقامی مسلمانوں کی ہمت بڑھتی ہے کہ دوسرے
صوبوں کے جلیل القدر مسلمان ان کے معاملات میں شریک ہیں۔
اور ان کی مدد کر رہے ہیں۔ غرض تبادلہ افکار اور باہمی مباحثہ
سے بہت کچھ فائدہ پہنچتا ہے اور بہت سی دشواریاں حل ہوجاتی
ہیں۔ ایک طرف گورنمنٹ ان کی ضرورتوں پر متوجہ ہوجاتی ہے
دوسری طرف خود مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ انکو اپنی
قوم کے فائدہ کے لئے کام کرنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ ہر اجلاس کی بدولت ایک خطبہ صدارت
کا اردو لٹریچر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ خطبۂ صدارت بھی بجائے
خود نہایت مفید چیز ہے۔ بعض بعض خطبات تو ایسی محنت و کاوش
سے لکھے گئے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خطبات زیادہ تر
ان اصحاب کی زبان قلم سے ادا ہوئے ہیں جو تعلیمی مسائل و ضروریات
پر کافی غور کر چکے ہیں۔ جب یہ خطبات سالانہ رپورٹوں اور اخباروں
کے ذریعہ سے تمام ملک میں شائع ہوتے ہیں تو لوگوں کو تعلیمی معاملات
کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور یہ رغبت پیدا ہوتی ہے کہ وہ
مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے حسب توفیق کچھ کام کریں۔ غرض سالانہ
اجلاس سے گوناگوں فائدے ہوتے ہیں جسکا کافی تجربہ ہوچکا ہے

مختلف صوبوں اور اسلامی ریاستوں میں تعلیمی کام

چنانچہ ابتک ہندوستان کے مختلف مقامات پر کانفرنس کی
تحریک اور اجلاس کے اثر سے مکاتب اور اسکول قائم ہوئے
تعلیمی کام کرنے والی کمیٹیاں بن گئیں۔ تعلیمی وظائف کے لئے روپیہ جمع
ہوا اور مقامی تعلیم گاہوں کو ترقی دینے کے لئے سرمایہ فراہم کیا گیا یا
مسلمانوں کے لئے بورڈنگ ہاؤس تعمیر کئے گئے۔ غرض اسیطرح کی
بہت سے کام انجام پائے۔

اجلاس کے سلسلہ سے جدا کانفرنس کے سفیروں اور عہدہ
داروں نے سالہا سال تک تمام ہندوستان میں بلکہ برہما تک دورہ
کرکے مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کیا اور جو غلط خیالات،
اور اوہام تعلیم جدیدہ کے متعلق ان میں پھیلے ہوئے تھے انکو دور
کرنے کی پوری کوشش کی۔ برطانوی ہند کے علاوہ دیسی ریاستوں میں
بھی اپنے سفیر بھیجے۔ اپنا لٹریچر شائع کیا اور وہاں کے تعلیمی عہدہ داروں
کو کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ متعدد اسلامی
ریاستوں کے عہدہ دار سرکاری حیثیت سے کانفرنس کے جلسوں
میں شریک ہوئے اور تعلیمی مسائل سے واقفیت حاصل کی جسکا فائدہ
بالواسطہ ان ریاستوں کو پہنچا۔

مسلم یونیورسٹی کے قیام میں کانفرنس کا حصّہ

کانفرنس کی ایک بڑی خدمت یہ بھی ہے کہ اس نے محمڈن
کالج کو موجودہ مسلم یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے میں بڑا حصہ لیا،
مسلم یونیورسٹی کی تحریک کانفرنس ہی کے پلیٹ فارم سے شروع
ہوئی اور جب سنہ ۱۹۱۰ء میں اس تحریک کا از سرنو آغاز ہوا تو وہ
بھی کانفرنس ہی کے پلیٹ فارم سے۔ چنانچہ اس زمانہ میں کانفرنس
نے اپنے تمام سفیر اور عملہ کو یکسر یونیورسٹی کی تحریک کے متعلق کام
کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا اور خود کانفرنس کے اعلیٰ عہدہ دار بھی

یونیورسٹی کے کام میں معروف و منہمک ہے۔ یہاں تک کہ کانفرنس نے اس زمانہ میں اپنے لئے چندہ جمع کرنا بھی بند کردیا بلکہ مزید براں ہزاروں رسالے کانفرنس کے خرچ سے چھاپکر شائع کئے جن میں مسلمانوں کو یونیورسٹی کی حقیقت سمجھائی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ اپنی یونیورسٹی قائم ہو جانے سے مسلمانوں کو کیا کیا فائدے ہوں گے۔ اس زمانہ میں کانفرنس کے جائنٹ سکرٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم تھے ان کو اس تحریک میں اس قدر انہماک تھا کہ گویا اپنی تمام قوتیں اس خدمت کے لئے وقف کردی تھیں کہ مسلمان جلد سے جلد ایک شاندار یونیورسٹی قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

گورنمنٹ سے مطالبات

جب کانفرنس کے عہدہ داروں نے مختلف صوبوں کا دورہ کیا اور اپنے سالانہ اجلاس وہاں منعقد کئے تو ان صوبوں میں تعلیم کی جو کیفیت ہے وہ معلوم ہوئی۔ خصوصاً مسلمانوں کی تعلیم کی راہ میں جو دشواریاں حائل تھیں ان کا حال معلوم ہوا تو کانفرنس کے ممبروں نے ان معاملات پر توجہ کی اور اپنے پلیٹ فارم پر ان معاملات پر مباحثہ کرکے رزولیوشن پاس کئے۔ یادداشتیں اور میموریل مرتب کئے اور جس صوبہ کی گورنمنٹ سے ان معاملات کا تعلق تھا اس صوبہ کی گورنمنٹ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے اور سررشتۂ تعلیم کے حکام کو ان امور پر توجہ دلائی۔ چنانچہ ان رزولیوشنوں کی بنا پر سررشتۂ تعلیم میں مسلمانوں کے بعض حقوق قائم ہوئے۔ طلبا کو کچھ سہولتیں بہم پہونچیں اور صوبہ جات متحدہ میں مکاتب کا محکمہ قائم ہوا اور یہ قاعدہ جاری ہوا کہ جس مکتب میں بیس لڑکے پڑھتے ہوں اس کو ڈسٹرکٹ بورڈ یا میونسپل بورڈ سے معتد بہ مالی امداد دی جائے اور اگر زیادہ طلبا دستیاب ہوسکیں اور ابتدائی جماعتیں کھل جائیں تو اسلامیہ اسکول قائم ہو سکتا ہے۔ غرض کانفرنس نے پیہم کوشش کرکے صوبجات متحدہ میں مکاتب کا محکمہ گورنمنٹ سے قائم کرایا ہے۔ ہر ضلع میں مکتب کمیٹی ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مسلمانوں نے اپنی غفلت سے بجز چند مقامات کے عام طور پر اس اسکیم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اسی طرح کے اور فائدے بھی ہیں جو کانفرنس کی کوشش اور مسلسل مطالبہ سے گورنمنٹ سے حاصل ہوئے۔ سب کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

شعبہ تعلیم نسواں

اگرچہ ابھی تک مسلمان اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام اس حد تک نہیں کرسکے جس کی ضرورت ہے اور ابھی اس سلسلہ میں ان کے سامنے بہت سا کام کرنے کے لئے موجود ہے لیکن چونکہ مسلمان بچوں کی عمدہ تربیت اور خانگی معاشرت کا حسنِ انتظام بغیر عورتوں کی تعلیم کے ممکن نہیں اسلئے کانفرنس نے اس معاملہ میں مزید توقف مناسب نہ سمجھا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں اس شعبہ کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن بوجوہ سنہ ۱۹۰۴ء تک کوئی باقاعدہ کوشش اس سلسلہ میں عمل میں نہ آسکی۔ لیکن سنہ ۱۹۰۴ء سے کوشش کا باقاعدہ آغاز ہوا اور شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔ بی اس شعبہ کے آنریری سکرٹری مقرر ہوئے۔ آپکی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۲۵ راکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو علی گڑھ میں زنانہ اسکول کھولا گیا جو اب ترقی کرکے انٹرمیڈیٹ کالج ہوگیا ہے۔ کالج کے متعلق بورڈنگ بھی ہے۔ یہ کالج اس صوبہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آل انڈیا حیثیت رکھتا ہے۔ اب اس کی ہستی مستقل ہے اور ہندوستان کے مختلف مقامات سے وہاں لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے آتی ہیں۔ کانفرنس اب بھی اسکول کو ڈھائی سو روپیہ سالانہ مستقل طور پر امداد دیتی ہے۔ اور کانفرنس کے آنریری سکرٹری نواب صدر یار جنگ بہادر بھی ذاتی طور پر زنانہ کالج کو ایک گرانقدر سالانہ رقم عطا کرتے ہیں۔

شعبہ اصلاح تمدّن

یہ ظاہر ہے کہ صرف تعلیم مسلمانوں کے مرض کا علاج نہیں۔ کوئی قوم اسوقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ اپنے عادات و اطوار اور عام اخلاق کے لحاظ سے بھی بلند پایہ نہ ہو۔ چنانچہ کانفرنس نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا اور موجودہ صدی کے پہلے سال سنہ ۱۹۰۱ء میں کانفرنس کا جو اجلاس بمقام مدراس منعقد ہوا اس میں ایک معرکتہ الآرا بحث کے بعد اس شعبہ کا افتتاح ہوا اور اس کے مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

(۱) مسلمان شادی و غمی و زیور و لباس وغیرہ میں فضولخرچی نہ کریں۔
(۲) جملہ قسم کے مسکرات سے پرہیز کریں۔
(۳) تندرست اور پیشہ ور گداگروں کو خیرات دینا بند کردیں اور

(۴) ایام نابالغی میں اولاد کی شادی نہ کریں اور نہ ان کی خلاف مرضی شادی کریں۔

(۵) اطفال خورد سال کو زیور قطعاً نہ پہنائیں اور نہ اسکا شوق دلائیں

(۶) جدید طرز معاشرت اختیار کرنے سے جو فضول خرچیاں بڑھتی جاتی ہیں ان کو ترک کریں۔

(۷) کوئی مسلمان بیکار نہ رہے اور کم از کم ایک بیکار عزیز یا دوست کو کسی کار آمد شغل میں ہر شخص لگائے۔

اس شعبہ کے سکرٹری خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔اے۔ایل ایل۔بی قرار پائے اور آپ نے جس محنت و کاوش اور ذوق و شوق سے یہ کام شروع کیا اس سے کوئی باخبر شخص ناواقف نہیں، آپ کی مسلسل کوشش سے مسلمانوں میں اصلاح رسوم۔کفایت شعاری اور سادہ معاشرت کا خیال پیدا ہوا۔آپ نے اس مقصد کی تبلیغ کے لئے ایک مستقل رسالہ عصر جدید جاری کیا اور اس کے علاوہ متعدد رسالے جن میں اصلاحی مضامین تھے ہزاروں کی تعداد میں طبع کرا کر مفت تقسیم کئے۔ کانفرنس حسب گنجائش اس شعبہ کی مدد کرتی رہی اور خواجہ صاحب کی مخلصانہ جد و جہد کی بدولت اس تحریک کا جابجا چرچا ہوا، اور لوگوں کو اس سے دلچسپی پیدا ہوئی مگر خواجہ صاحب کی وفات کے بعد کوئی شخص ایسا نہ ملا جو ان کی جیسی فاضلانہ قابلیت رکھتا ہو اور اخلاص کے ساتھ بلاکسی معاوضہ اور صلہ کے کام کرنے پر آمادہ ہو۔اسلئے یہ کام اس باقاعدگی سے جاری نہ رہا۔البتہ کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکرٹری جناب مولانا سید طفیل احمد صاحب بطور خود چند سال سے اس خدمت میں مصروف ہیں اور مسلمانوں کی اصلاح معاشرت اور مالی ترقی کے لئے اپنے مجوزہ طریقوں اور اصول کے ماتحت سعی بلیغ کر رہے ہیں۔

شعبہ ترقی اردو

اردو زبان کی خدمت علی گڑھ کی روایات میں داخل ہے۔سر سید مرحوم اور ان کے جانشین نواب محسن الملک نے قولاً و عملاً جس زور و قوت کے ساتھ اردو کی حمایت کی ہے وہ واقعات آج بھی بہت سے لوگوں کو معلوم ہوں گے۔سر سید اور ان کے تمام رفقاء مثلاً مولانا حالی۔مولانا شبلی۔مولانا نذیر احمد۔نواب محسن الملک اردو کے بہترین انشا پرداز اور اعلیٰ درجہ کے مصنف تھے۔خود سر سید مرحوم دہلی کے تھے اور اردو کا صحیح ذوق رکھتے تھے۔اس دور آخر میں دہلی میں جو بڑے بڑے اساتذہ تھے مثلاً ذوق۔غالب۔مومن وغیرہ سر سید نے سب کو دیکھا تھا۔سنا تھا اور ادبی صحبتوں کا لطف اٹھایا تھا۔ لہذا ان سے زیادہ اردو کا حامی اور کون ہو سکتا تھا۔

سر سید نے ابتدا رسے کانفرنس کا تمام کاروبار اردو میں رکھا اور اس کی تمام رپورٹیں اردو ہی میں شائع کیں۔اسکے علاوہ کانفرنس کے اجلاسوں میں بھی اردو کا یہ اثر رہا کہ بعض اوقات اسکا اجلاس دیکھکر بجائے مجلس تعلیمی کے اس پر بزم ادب اور مجلس شاعرہ کا دھوکہ ہوتا تھا۔خصوصاً جب مولانا شبلی۔مولانا حالی۔شوق قدوائی جیسے اساتذہ فن اپنا کلام سناتے تھے تو لوگ تصویر حیرت بنجاتے تھے مولانا نذیر احمد اگرچہ لکچر دینے کے لئے آتے تھے مگر بغیر نظم سنائے نہیں مانتے تھے۔غرض کانفرنس اور بانیان کانفرنس کو ابتدا رسے اردو کی اشاعت کا ذوق رہا اور کانفرنس ۱۸۸۶ء سے ۱۹۰۳ء تک برابر اردو کی کچھ نہ کچھ خدمت کرتی رہی۔لیکن ۱۹۰۳ء میں جب دربار دہلی کے موقع پر کانفرنس کا اجلاس ہوا تو اردو کی اشاعت و ترقی کی ضرورت پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی گئی اور کانفرنس کا ایک مستقل شعبہ " ترقی اردو" کے نام سے قائم کیا گیا۔یہ بھی عجب حسن اتفاق ہے کہ شعبہ ترقی اردو کا سنگ بنیاد دہلی میں رکھا گیا جو گویا اردو کا مولد و مرکز ہے یا کبھی تھا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۹۰۳ء میں اس کام نے ایک مستقل حیثیت اختیار کر لی اور ہندوستان کے مسلم انشا پرداز اور مشہور مصنف شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی اس صیغہ کے معتمد اعزازی (آنریری سکرٹری) قرار پائے جو ۱۹۰۵ء تک کام کرتے رہے۔اس کے بعد جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج نے اس کام کو ہاتھ میں لیا۔سب کے آخر میں جناب مولوی عبد الحق صاحب بی۔اے جن کی اردو سے محبت ضرب المثل ہے انجمن ترقی اردو کے آنریری سکرٹری مقرر ہوئے۔آپ کے زمانہ میں انجمن نے رفتہ رفتہ جو ترقی کی وہ مخفی نہیں۔بہت سی مفید کتابیں شائع ہوئیں۔انجمن کا مستقل سہ ماہی رسالہ جاری ہوا۔مالی حیثیت سے بھی انجمن کی حالت قابل اطمینان

ہوگئی اور سب سے بڑی بات یہ کہ انجمن نے اعلیٰحضرت نظام اور فرمانروائے بھوپال کی سرپرستی حاصل کی۔

ابتدا میں کانفرنس انجمن کی مدد کرتی رہی اور کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں انجمن کی رپورٹ بحیثیت ایک شعبہ کے ہر سال پیش ہوتی رہی اب بفضلہ انجمن مستقل حیثیت رکھتی ہے اور کتابوں کے کاروبار اور مستقل عطیات سے اپنا کام حسن و خوبی سے چلا رہی ہے۔

لیکن کانفرنس نے اپنے یہاں بھی اس کام کو جاری رکھا چنانچہ چند سال سے شعبۂ تالیف و اشاعت قائم ہے اور موجودہ آنریری سکرٹری نواب صدر یار جنگ بہادر کے زمانہ میں متعدد تاریخی علمی اور تعلیمی کتابیں کانفرنس کے صدر دفتر سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور ابھی بفضلہ ان کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کتابوں کی ضرورت سے کانفرنس نے اپنا ایک ڈپو بھی قائم کر دیا ہے جس میں علاوہ کانفرنس کی مطبوعات کے اردو کے اکثر مشہور مصنفین کی کتابیں فروخت و اشاعت کی غرض سے موجود رہتی ہیں۔

گذشتہ پانچ چھ سال میں کانفرنس نے مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں جو خدمت انجام دی ہے اسکی تفصیل کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ یہ کتابیں بجائے خود کس قدر مفید ہیں اور ان کی اشاعت سے اردو لٹریچر میں کیسا قیمتی اضافہ ہوا ہے۔ اس موقع پر اختصار کے ساتھ چند کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کانفرنس نے نواب وقار الملک مرحوم کی مکمل و مفصل لائف شائع کی ہے۔ بظاہر یہ ایک سوانحعمری ہے لیکن درحقیقت اس میں مسلمانوں کی قومی ضرورتیں اور تعلیمی جدوجہد سرسید کی تحریک اور علی گڑھ کالج کی گذشتہ تاریخ اور گوناگوں انقلابات کے متعلق معلومات کا اتنا ذخیرہ ہے جو کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ اسی طرح اس کتاب میں حیدرآباد کے عجیب و غریب حالات اور بہت سے پراسرار سیاسی واقعات ہیں جو ابتک منظر عام پر نہیں آئے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ خود نواب وقار الملک کی زندگی میں ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے اور ان کو ایسے معاملات میں حصہ لینا پڑا ہے جو بجائے خود دلچسپ و لائق مطالعہ ہیں اور تمام نوجوانوں خصوصاً قومی کام کرنے والوں کے لئے بصیرت افزا اور سبق آموز کتاب کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستانی اکاڈیمی گورنمنٹ ممالک متحدہ صوبہ کی تمام مطبوعات میں اس کتاب کو اردو نثر کی سب سے بہتر کتاب تسلیم کرکے اپنا پہلا انعام پانسو روپیہ کا اس پر عطا کیا۔ وقار حیات کے علاوہ کانفرنس نے ایک ضخیم کتاب خطبات عالیہ تین جلدوں میں شائع کی ہے۔ جس شخص کو مسلمانوں کی تعلیم سے یا علی گڑھ سے کچھ بھی تعلق ہے اس کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بےحد ضروری ہے۔ خطبات عالیہ میں کانفرنس کی گذشتہ چالیس سالانہ اجلاسوں کا خطبۂ صدارت ہے۔ ہر صدر کی دلچسپ سوانحعمری ہے اور عمدہ فوٹو ہے۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کے مجموعہ نے اس کتاب کو کس قدر دلچسپ و مفید بنا دیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ گذشتہ چالیس سال کی مدت میں مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ہندوستان میں کیا واقعات پیش آئے۔ مسلمانوں نے کیا کیا اور کیا کرنا باقی ہے۔ غرض یہ کتاب مسلمانوں کے تعلیمی انقلابات کی ایک تاریخ ہے۔ یہ واقعات اور حالات کہیں ایک جگہ نہیں مل سکتے۔

کانفرنس نے ان ضخیم کتابوں کے علاوہ اور عمدہ کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ مثلاً تاریخ مغیر۔ تاریخ مالابار۔ فطرت اطفال۔ التربیۃ الاستقلالیہ۔ مذہب و عقلیات۔ یاد ایام۔ اتالیق۔ سلسلہ نصاب اردو وغیرہ جنکی اجمالی کیفیت کی بھی اس مضمون میں گنجائش نہیں۔ ناظرین کانفرنس کے دفتر سے ان سب کتابوں کی فہرست بلاقیمت طلب کرکے تفصیلی کیفیت معلوم کر سکتے ہیں۔

وظائف

یہ ظاہر ہے کہ عام طور پر تمام ملک میں مسلمانوں کی مالی حالت ایسی سقیم ہے اور آجکل تعلیم ایسی گراں ہے کہ متوسط درجہ کے مسلمان بھی بغیر خارجی اعانت کے اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اس وقت مسلمانوں میں اشاعت تعلیم کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ صاحب استطاعت مسلمان نادار مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے وظائف کا انتظام کریں اور جو مسلمان پستی کیجانب ہیں ہیں ان کو تعلیم یافتہ و کارآمد بنا کر ترقی اور کسب معاش کی راہیں ان کے سامنے کھول دیں۔

کانفرنس کے پاس اسقدر سرمایہ تو کہاں ہے کہ وہ ہندوستان کے

لاکھوں حاجتمند طلبار کے لئے وظائف کا انتظام کرے۔ البتہ گنجائش کے مطابق خاص قواعد کے ماتحت کانفرنس طلبار کو وظائف دیتی ہے۔ چنانچہ ابتک قریباً ایک لاکھ روپیہ اس مد میں خرچ ہوچکا ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ یہ سلسلہ آیندہ بھی قایم رہ سکے کانفرنس یہ وظائف بطور قرض دیتی ہے یعنی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب یہ طلبار برسرکار ہوں تو اپنی ماہانہ آمدنی یا تنخواہ میں سے دس فی صدی ماہوار کانفرنس کو اس وقت تک دیتے رہیں جب تک ان کا قرض ادا نہ ہو۔ اس طرزِ عمل کا فائدہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ ابتک جاری ہے اور کم و بیش تین ہزار روپیہ سالانہ وظائف پر صرف ہو رہا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں یہ امر لائق افسوس ہے کہ کافی تعداد ایسے اصحاب کی ہے جو باوجود تحریری اقرارنامہ اور دستاویزات کے برسرکار ہونے اور روپیہ کمانے پر بھی کانفرنس کا قرض ادا نہیں کرتے۔ مسلسل یاددہانیاں کی جاتی ہیں۔ رجسٹری شدہ خطوط لکھے جاتے ہیں مگر بے سود۔ جواب تک نہیں ملتا۔ چنانچہ مجبور ہوکر اب کانفرنس کمیٹی نے کارکنان کانفرنس کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ایسے اصحاب سے عدالت کے ذریعہ سے اپنا مطالبہ وصول کریں۔

امداد و قیام مکاتب و مدارس

مسلمانوں کے سامنے اس وقت ایک بڑا اور بہت ضروری کام یہ ہے کہ مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا عام طور پر انتظام کریں۔ ابتک مسلمانوں کی تمام تحریکوں کا چرچا شہروں تک رہا ہے۔ حالانکہ خدا کے لاکھوں بندے دیہات میں بھی رہتے ہیں جو بیچارے یکسر علم سے محروم ہیں۔ وہ کسی زبان میں بھی نہیں لکھ پڑھ سکتے۔ کیسی قابل رحم حالت ہے اور اس سے کس قدر نقصان پہونچ رہا ہے۔ چونکہ عموماً ہندوستان کے تمام دیہات جہالت کی تاریکی میں مبتلا ہیں اور کام کا حلقہ بہت وسیع ہے لہذا اس کام کے لئے بڑے سرمایہ۔ باقاعدہ کوشش اور بہت سے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ لیکن مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لئے ایک ایسا نظام قائم کرنا جو تمام ہندوستان پر حاوی ہو ان کے بس کی بات نہیں مگر کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔ اس بنار پر کانفرنس نے مختلف اضلاع کے چند دیہات میں ابتدائی تعلیم کے لئے مکاتب قائم کردئے ہیں جنکے مصارف کانفرنس دیتی ہے۔ وہاں سے ماہانہ رپورٹ آتی ہے اور مختلف اوقات میں ان کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ تجربہ سے یہ مکاتب بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

مستقل مکاتب کے مصارف ادا کرنے کے علاوہ کانفرنس ایک معین سالانہ رقم سے بعض مدارس کی امداد بھی کرتی ہے۔ چنانچہ بالفعل ڈہائی ہزار روپیہ سالانہ کانفرنس اس مد پر صرف کر رہی ہے لیکن یہ کام اس قدر وسیع ہے کہ اگر اس پر ڈہائی لاکھ روپیہ سالانہ صرف کیا جائے جب بھی تمام ہندوستان کے دیہات میں مکاتب نہیں قائم کئے جاسکتے۔

کانفرنس کے اجتماعی و اخلاقی نتائج

چونکہ بالفعل کانفرنس کی مکمل و مفصل تاریخ لکھنا مقصود نہیں اس لئے جو کچھ لکھا گیا ہے اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اخبار کی گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث کے کئی پہلو نظرانداز کردئے ہیں لیکن خاتمہ کلام پر اس قدر عرض کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ علاوہ اُن مادّی فائدوں کے جو عام طور پر محسوس ہوتے ہیں کانفرنس کے اخلاقی فائدہ بھی کچھ کم نہیں ہیں جس زمانہ میں کانفرنس قائم ہوئی مسلمانوں کی بہت سی انجمنیں نہیں تھیں اور جو تھیں وہ مقامی حیثیت رکھتی تھیں۔ کانفرنس کے نام کے ساتھ اگرچہ ابتدار میں "آل انڈیا" نہیں لکھا جاتا تھا لیکن سرسید مرحوم نے پہلے ہی اجلاس میں اس کی جو حیثیت کھلے الفاظ میں قرار دی تھی اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ یہ انجمن کسی ضلع یا صوبہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام مسلمانان ہند کی تعلیمی انجمن ہے۔

نیشنل کانگریس کی حیثیت بے شبہ "آل انڈیا" قرار دی گئی تھی لیکن وہ مسلمانوں کی انجمن نہ تھی۔ اس کے علاوہ سرسید نے مسلمانوں کو اس کی شرکت سے روک دیا تھا۔ ان حالات کی بنار پر صرف کانفرنس ہی ایک ایسی انجمن تھی جو سب مقامات کے مسلمانوں کی دلچسپی کا مرکز ہوسکتی تھی۔ خصوصاً سرسید کے احباب اور ہم مشرب و ہمخیال اصحاب کے لئے کانفرنس کے علاوہ اور کوئی پلیٹ فارم ایسا نہ تھا جہاں وہ باہم جمع ہوکر تبادلۂ خیالات کرسکیں اور لطف صحبت اٹھا

سکیں۔ جب کانفرنس قائم ہوئی تو علی گڑھ کی درسگاہ پر دس برس کا زمانہ گزر چکا تھا اور اولڈ بوائے کی ایک مختصر سی جماعت وجود میں آچکی تھی اور جیسے جیسے کانفرنس کی عمر بڑھتی جاتی تھی قدرتاً کالج کے اولڈ بوائے کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اُس زمانہ کے متعلق کالج کی جو روایات ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولڈ بوائے کو اپنے کالج سے بیحد محبت تھی اور اُن کی جماعت میں ہم رنگی و ہم آہنگی کی وہ شان تھی جو اب خواب و خیال ہوگئی۔ زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات اور دوسرے وجوہ سے جو افتراق پیدا ہوگیا اس کا وجود نہ تھا بلکہ سب کو مرکز سے یکساں دلچسپی و تعلق تھا اور مادر کالج میں ہر اولڈ بائے کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ ان حالات کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ کانفرنس سے سب کو دلچسپی تھی اور اس میں شریک ہونیکا سب کو ذوق تھا۔ اولڈ بوائز سال بھر تک ملک کے مختلف حصوں میں اپنی ملازمت یا کاروبار کے فرائض انجام دینے میں مشغول رہتے تھے اور سال بھر کے بعد دسمبر کے آخری ہفتہ میں کانفرنس میں شریک ہوکر آپس میں ملتے جلتے اور لطف صحبت اٹھاتے تھے کالج کے معاملات اور اس کی ترقی کے وسائل پر بحث کرتے تھے۔ گویا اس طریقہ کی بدولت ایک مستقل جماعت پیدا ہوگئی تھی۔ جس کا ایک ہی مرکز تھا اور ایک ہی نصب العین۔ چونکہ کانفرنس کے سلسلہ میں یہ ملاقاتیں ہر سال ہوتی رہتی تھیں اس لئے باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا تھا اور اس موقع پر علی گڑھ کے کارکنوں اور سرسید کے جانشینوں سے ملنے کے بعد ان میں کالج کی خدمت کا ایک تازہ جوش پیدا ہوجاتا تھا۔ وہ کالج کی حالت اور اس کی ضرورتوں سے بھی باخبر رہتے تھے اور اپنے مقام پر واپس آکر کالج کے لئے سعی کرتے تھے۔ ذاتی طور پر بھی یہ باہمی تعاون ایک دوسرے کے لئے دنیوی کاروبار میں مفید ہوتا تھا۔ ان وجوہ سے اس زمانہ میں کالج بہت نیکنام رہا اور اس کو بہت ہردلعزیزی و شہرت حاصل ہوئی اور سرسید کے جانشینوں کو ہر تحریک میں اولڈ بوائز سے بہت مدد ملی۔ مگر اب ملک میں بہت سی سیاسی و تعلیمی جماعتیں پیدا ہوگئیں اور قومی جلسے کوئی نئی چیز نہیں اسلئے اب کسی کو کانفرنس میں شریک ہونے کا وہ ذوق شوق باقی نہ رہا۔ اس کے علاوہ ہر صوبہ میں مقامی لیڈر موجود ہیں اور اپنے طریقہ پر تعلیمی و سیاسی کام کر رہے ہیں۔ نیز مختلف صوبوں میں پراونشل تعلیمی کانفرنسیں قائم ہوگئی ہیں اور ہر صوبہ کے لئے جداگانہ کام کرنیکا خیال زیادہ عام ہوتا جاتا ہے حالانکہ ایک مستحکم تعلیمی مرکز کی ضرورت جس طرح پہلے تھی اب بھی ہے بلکہ موجودہ حالات تمام ہندوستان میں ایک خاص تنظیم کے ساتھ کام کرنے کے مقتضی ہیں۔

اتحاد عمل و ہم آہنگی کی ضرورت

ایک خاص بات یہ ہے کہ پہلے سب مسلمان سیاسی مسائل میں علی گڑھ کے متبع تھے اور علی گڑھ سے جو آواز اٹھتی تھی تمام ملک اس کی تائید کرتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا مرکز بھی علی گڑھ ہی قرار پایا تھا۔ لیکن حکومت کی مصلحتیں اسکی مقتضی ہوئیں کہ اس تعلیمی مرکز سے لیگ کا کوئی تعلق نہ رہے۔ ان حالات نے علی گڑھ کی وہ عام مرکزیت باقی نہیں رکھی اور خود یہاں کے اولڈ بوائے سیاسیات میں اس قدر مختلف الرائے ہوگئے کہ یہ اختلاف بڑھکر مخالفت کے درجہ تک پہونچگیا۔ خود مرکز کو سیاست سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس لئے وہ پالٹکس میں ان لوگوں کی رہنمائی نہ کرسکا۔ اس کے علاوہ خود مرکز میں بھی سیاسیات میں ہم آہنگی نہ رہی اس لئے باہر والوں نے بھی اپنے لئے جدا جدا راستے تجویز کرلئے۔ بہر حال حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ ممکن ہے کہ سرسید مرحوم کی طرح پھر ؎

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

خاکسار

محمد اکرام اللہ خاں ندوی

سلطان جہاں منزل

علی گڑھ

سلطان جہاں منزل علیگڑھ دفتر آل انڈیا
مسلم ایجوکیشنل کانفرینس مع اسٹاف



دائیں سے بائیں
سید ساجد حسین
مولوی اکرام اللہ
خان صاحب مہر ولایت حسین
مولوی انوار احمد

فہرست اجلاس ہائے کانفرنس و پریسیڈنٹ صاحبان

نمبر شمار	سنہ	مقام	نام صدر صاحبان
۱	۱۸۸۶	علی گڑھ	مولوی محمد سمیع اللہ خانصاحب مرحوم سی۔ایم۔جی
۲	۱۸۸۷	لکھنؤ	منشی محمد امتیاز علیخانصاحب مرحوم سابق وزیر بھوپال
۳	۱۸۸۸	لاہور	خان بہادر سردار محمد حیات خانصاحب مرحوم سی۔ایس۔آئی
۴	۱۸۸۹	علی گڑھ	ایضاً
۵	۱۸۹۰	الہ آباد	ایضاً
۶	۱۸۹۱	علی گڑھ	نواب محمد اسحٰق خانصاحب مرحوم سی۔ایس
۷	۱۸۹۲	دہلی	مولوی محمد حشمت اللہ سکوٹر ایم۔اے۔سی۔ایس
۸	۱۸۹۳	علی گڑھ	نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خانصاحب مرحوم
۹	۱۸۹۴	"	مولوی محمد شاہ دین سکوٹر مرحوم بار۔ایٹ۔لا
۱۰	۱۸۹۵	شاہجہانپور	نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خانصاحب مرحوم
۱۱	۱۸۹۶	میرٹھ	نواب عماد الدولہ عماد الملک مولوی سید حسین صاحب مرحوم
۱۲	۱۸۹۸	لاہور	آنریبل نواب حاجی فتح علیخان بہادر قزلباش مرحوم رئیس لاہور و تعلقدار اودھ
۱۳	۱۸۹۹	کلکتہ	آنریبل مسٹر جسٹس سید امیر علیصاحب مرحوم ایم۔اے۔سی۔آئی۔ای
۱۴	۱۹۰۰	رامپور	نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی مرحوم
۱۵	۱۹۰۱	مدراس	آنریبل مسٹر جسٹس باڈم سابق جج مدراس
۱۶	۱۹۰۲	دہلی	ہز ہائی نس سلطان محمد شاہ آغا خاں
۱۷	۱۹۰۳	بمبئی	آنریبل مسٹر جسٹس بدر الدین طیب جی مرحوم
۱۸	۱۹۰۴	لکھنؤ	مسٹر تھیوڈور ماریسن سابق پرنسپل کالج علی گڑھ
۱۹	۱۹۰۵	علی گڑھ	مشیر الدولہ ممتاز الملک آنریبل خلیفہ سید محمد حسین خانصاحب مرحوم
۲۰	۱۹۰۶	ڈھاکہ	آنریبل جسٹس سید شرف الدین صاحب مرحوم جج ہائیکورٹ کلکتہ
۲۱	۱۹۰۷	کراچی	شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مرحوم
۲۲	۱۹۰۸	امرتسر	آنریبل نواب سر خواجہ سلیم اللہ خان بہادر مرحوم کے سی ایس آئی
۲۳	۱۹۰۹	رنگون	آنریبل راجہ سر محمد علی محمد خاں بہادر کے۔سی۔ایس آئی
۲۴	۱۹۱۰	ناگپور	مسٹر عبد اللہ ابن یوسف علی ایم اے ایل ایل ایم آئی سی ایس
۲۵	۱۹۱۱	دہلی	نواب عماد الملک مولوی سید حسین صاحب بلگرامی مرحوم
۲۶	۱۹۱۲	لکھنؤ	میجر سید حسن صاحب بلگرامی مرحوم ایم ڈی ڈی پی ایچ آئی ایم ایس
۲۷	۱۹۱۳	آگرہ	آنریبل مسٹر جسٹس مولوی محمد شاہ دین صاحب مرحوم بی اے جج ہائیکورٹ
۲۸	۱۹۱۴	راولپنڈی	خان بہادر مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب کے۔سی آئی ای
۲۹	۱۹۱۵	پونہ	آنریبل جسٹس مولوی سید عبد الرحیم صاحب۔سابق جج ہائیکورٹ مدراس
۳۰	۱۹۱۶	علی گڑھ	آنریبل خان بہادر سر میاں محمد شفیع صاحب کے سی آئی ای بیرسٹر ایٹ لا
۳۱	۱۹۱۷	کلکتہ	سر محمد اکبر نذر علی حیدری
۳۲	۱۹۱۸	سورت	آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ
۳۳	۱۹۱۹	خیرپور	آنریبل نواب سر شمس الہدیٰ صاحب مرحوم کے سی ایس آئی کلکتہ
۳۴	۱۹۲۰	امراوتی	آنریبل خان بہادر سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب پونہ
۳۵	۱۹۲۲	علی گڑھ	آنریبل سر میاں فضل حسین
۳۶	۱۹۲۳	"	صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم
۳۷	۱۹۲۴	بمبئی	آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ
۳۸	۱۹۲۵	علی گڑھ	نواب سر محمد عبد القیوم خاں بہادر کے سی آئی ای
۳۹	۱۹۲۶	دہلی	آنریبل جسٹس سر عبد الرحیم صاحب بار ایٹ لا
۴۰	۱۹۲۷	مدراس	آنریبل سر شیخ عبد القادر۔ جج ہائی کورٹ۔لاہور
۴۱	۱۹۲۸	اجمیر	آنریبل جسٹس ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد
۴۲	۱۹۳۰	بنارس	نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سید راس مسعود صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی۔علی گڑھ

نوٹ

سنہ ۱۸۹۷ء و سنہ ۱۹۲۱ء و سنہ ۱۹۲۹ء میں بعض وجوہ سے اجلاس نہ ہو سکا۔

مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم سی ایم جی



منشی محمد سید امتیاز علی صاحب مرحوم





خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب مرحوم سی ایس آئی

نواب محمد اسحاق خاں صاحب مرحوم



مولوی محمد حشمت اللہ صاحب مرحوم سی ایس





نواب محسن الملک سید مہدی علی صاحب مرحوم

اجلاس اول

منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۸۸۶ء

(صدر مولوی حاجی محمد سمیع اللہ خانصاحب مرحوم سی-ایم-جی رئیس دہلی)

آپ سنہ ۱۸۳۴ء میں اپنے وطن دہلی میں پیدا ہوئے۔ نسبتاً علوی تھے۔ آپ بالطبع بہت ذہین تھے۔ رسم بسم اللہ کے بعد مولوی محمد حسین صاحب نے فارسی کی تعلیم دی۔ میر پنجہ کش نے خوشنویسی میں دستگیری کی۔ مولوی مملوک علی و مولوی سید محمد جیسے جید علماء اور مفتی صدر الدین خاں جیسے علامۂ یگانہ کی توجہ سے اٹھارہ برس کی عمر میں معقول منقول تفسیر اصول فقہ حدیث وغیرہ کی تکمیل کر کے خود مسند علم کے جانشین ہوئے۔ آپ کی علمی شہرت نے دور دور کے طلباء کو حلقۂ درس اور آغوش تعلیم میں لا بٹھایا۔ سیر تماشوں سے آخر وقت تک متنفر رہے۔ ادنیٰ اعلیٰ سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے۔ اسراف میں محتاط تھے لیکن قومی اغراض میں بے دریغ صرف کرتے تھے مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو ہزاروں روپیہ چندہ میں دیا۔ آپ کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں حج ادا کیا اور دوران قیام مکہ میں مولانا حافظ محمد الحق صاحب مکی سے سند "دلائل الخیرات" حاصل کی جسے بعد واپسی حج چھپوا کر شائع کیا۔ سنہ ۱۸۵۶ء میں قانونی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ وکالت اور منصفی میں کامیاب ہوئے۔ زمانۂ غدر میں اکثر شرفاء کے جرمانے اپنے پاس سے ادا کئے اور بیسیوں قیدیوں کو جیل سے رہا کرایا۔ اپنے استاد مولوی صدر الدین خاں کو جو بسلسلۂ بغاوت گرفتار ہو گئے تھے کوشش کر کے رہا کرایا۔ دہلی میں ہنگامۂ فنا گرم تھا۔ آپ بھی تنگدل ہوئے باہر کا ارادہ کیا۔ سواری عنقا تھی۔ بہ ہزار کوشش دو رتھ ملے ایک میں اپنے بیوی بچوں کو بٹھایا۔ دوسرا لیکر سر سید کے گھر پہونچے ان کے بیوی بچوں کو سوار کرایا جن میں سید محمود و سید حامد بھی تھے اور نظام الدین پہونچے۔ ان کی خالہ اور سر سید کی والدہ گھر چھوڑنے پر تیار نہ ہوئیں۔ ان کے جانے کے بعد سر سید کے ماموں وحید الدین خاں اور ان کے ماموں زاد بھائی، ہاشم علی خاں نشانۂ بندوق بنے۔ سنہ ۱۸۵۸ء میں منصف ہوئے۔

سنہ ۱۸۶۲ء سے سنہ ۱۸۷۴ء تک آگرہ الہ آباد میں وکالت کی۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں جب سید محمود بیرسٹری پاس کر کے واپس ہوئے تھے تو آپ نے پیشۂ وکالت کے نکات بتلائے۔ آپ پہلے ہندوستانی وکیل تھے جو صدر الصدور بنائے گئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں انگلستان اور سنہ ۱۸۸۴ء میں مصر کا سفر کیا۔ سفر سے آپ کا مقصد بھی وہی تھا جو سر سید کا تھا۔ بعد واپسی سفر مصر سب ججی اور ڈسٹرکٹ و سشن ججی کے عہدہ پر فائز کئے گئے۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں اپنی خواہش سے وظیفہ لیا اور سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہو گئے۔ سنہ ۱۸۰۵ء میں بمقام لکھنؤ لفٹنٹ گورنر نے سی-ایم-جی کا تمغہ آپ کے سینہ پر آویزاں کیا۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں دہلی میں مدرسہ عربیہ قائم کیا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنا ر وجود بھی انھیں کا رہین منت ہے۔ ۲۴ مئی سنہ ۱۸۷۵ء کو سر سید کے ہمراہ کوششوں میں ساتھ رہکر علی گڑھ کے مدرسہ کی افتتاحی رسم ادا کی۔ سب سے پہلے اس مدرسہ کے رجسٹر میں اپنے لڑکے کا نام لکھوایا جن کا پورا نام افضل العلماء نواب سربلند جنگ مولوی حمید اللہ خاں بیرسٹرایٹ لا چیف جسٹس حیدر آباد تھا۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں مدرسہ کی مدد کے لئے جب سر سید نے پنجاب کا سفر کیا تو آپ ہی کی تحذیبت سب سے زیادہ بلند نظر آتی تھی۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں سر سید نے جب کالج کی سالانہ رپورٹ پڑھکر سنائی تو ایک فقرہ تھا کہ "یہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے مستقل ارادے اور صحیح رائے کی بدولت قائم ہوا ہے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں ٹرسٹیز بل کے متعلق سر سید اور آپ کے مابین، اختلاف ہو گیا تھا۔ سر سید کی کامیابی پر آپ علیحدہ ہو گئے لیکن سکونت علی گڑھ ہی میں رکھی۔ کالج کے طلباء سے بہت اخلاق و ہمدردی کے ساتھ ملتے۔ سر سید سے باوجود محبوں کی کوشش، جو رشتہ ٹوٹ چکا تھا پھر نہ جوڑا۔ ۷۴ سال کی عمر میں ۷ اپریل سنہ ۱۹۰۸ء بمقام علی گڑھ انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اجلاس دوم

منعقدہ لکھنؤ سنہ ۱۸۸۷ء

(صدر جناب منشی سید امتیاز علیخانصاحب مرحوم رئیس کاکوری ضلع لکھنؤ)

آپ کا سلسلۂ نسب سادات بنی فاطمہ سے ملتا ہے۔ سنہ ۱۸۳۵ء میں

بمقام باندہ پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد سرکاری ملازم تھے
علوم فارسی و عربی کے علاوہ فن سپہ گری بھی حاصل کیا۔ باندہ
کے قریب ایک ریاست میں سو روپیہ ماہوار کے ملازم ہوئے فارسی
انشا پردازی میں مرزا غالب سے اور نظم میں مولانا غلام امام
شہید سے استفادہ کیا۔ ابتداً آپ کا تخلص جمیل تھا۔ بعد اشارۂ
استاد صوفی اختیار کیا۔ متواضع۔ خلیق اور صاحب جود و سخا تھے،
انتزاع سلطنت اودھ کے بعد تلسی پورہ و جروہ کے افسر پولیس
مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں سرسید کا اس تحریک میں ساتھ دیا
جو نیشنل کانگریس سے جداگانہ مخصوص مسلمانوں کے لئے
بنائی گئی تھی۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی ضرب المثل ہے۔ کاکوری
میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ مولوی فتح محمد صاحب سے خلاصۃ التفاسیر
کی پانچ ضخیم جلدیں لکھوا کر تقسیم کرائیں۔ لکھنؤ و لواح کی متعدد
مساجد کہنہ کی مرمت کرائی۔ دسمبر ۱۸۸۸ء میں بھوپال کے وزیر
مقرر ہوئے۔ آپ تعلیم جدید کے حامی تھے۔ ۱۶ر نومبر ۱۸۸۹ء
میں آپ کا انتقال ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اجلاس سوم

منعقدہ لاہور ۱۸۸۸ء

(صدر نجم الہند سردار محمد حیات خاں خان بہادر مرحوم سی۔ آئی۔ ای)

سردار محمد حیات خاں صاحب سردار کرم خاں صاحب
ساکن واہ ضلع راولپنڈی کے صاحبزادے تھے۔ آپ سپاہیانہ
اوصاف کے ساتھ قدیم تعلیم و تربیت کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ غدر
۵۷ء میں برٹش گورنمنٹ کی وفادارانہ و سرفروشانہ خدمات
انجام دیں۔ حکومت نے بھی ان کی خدمات کی کافی قدر کی۔ ملازمت
کے لحاظ سے اعلیٰ عہدوں و مناصب پر ترقی پائی۔ پنجاب کے
اکثر اضلاع میں جوڈیشنل کمشنر رہے۔ خان بہادر سی۔ آئی۔ ای
کے خطابات سے سرفراز ہوئے۔ حکومت میں کافی وقار ہونے
کے علاوہ پنجاب کی مسلم اور ہندو پبلک میں بھی ان کی عزت و
توقیر بہت زیادہ تھی۔ عوام کی رہنمائی کے لئے ان کی شخصیت
نمایاں طور پر بلند نظر آتی تھی۔ سردار صاحب تجربہ کار۔ پرحوصلہ
مردم شناس اور صاحب تدبیر اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔

سرسید احمد خاں مرحوم نے جس وقت تعلیمی ریفارم کا کام
شروع کیا سردار صاحب بھی تھوڑے عرصہ بعد ہی سے ان کے
ہمخیال ہو گئے تھے۔ سرسید کی اور ان کی ملاقات اتحاد خیال کے
ساتھ دوستی اور سچی محبت کی آخری حد تک پہونچ گئی تھی اس بے ریا
اخلاص کی مثال اس زمانہ میں مشکل سے بھی نہیں مل سکتی۔ سردار صاحب
موصوف پنجاب میں سرسید کی علمی تحریک کے سب سے بڑے
اور پرجوش علم بردار تھے۔ سرسید کے خیالات کا جو اثر پنجاب نے
قبول کیا اور ان کی زبان سے اپنے واسطے "زندہ دلان پنجاب"
کا مشہور لقب حاصل کرنے میں مسلمانان پنجاب کامیاب ہوئے
آپ کا ہی سبب تھا۔ سرسید کے خیالات کو پھیلا کر مقبول کرانا انہیں
کی پرخلوص اور ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا۔

مدرسۃ العلوم کی تعمیر میں پوری دلچسپی اور شوق کیساتھ
حصہ لیا۔ خود مدد کی اور دوسروں سے دلوائی۔ عمدہ خیالات کی
اشاعت کے ذریعہ مسلمانان پنجاب کو تعلیم دینے کی کوشش کی۔
۱۸۸۴ء میں سرسید نے پنجاب کا سفر کیا۔ سردار صاحب اس
وقت گورداسپور میں جوڈیشنل کمشنر تھے۔ آپ نے وہاں کی
دعوت دی۔ ۲۷ر جنوری ۱۸۸۴ء کو سرسید اپنی پارٹی کے ہمراہ
اسٹیشن گورداسپور پر پہونچے جہاں ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔
باشندگان ضلع کی طرف سے سپاسنامہ پڑھکر پیش کیا۔ گورداسپور
میں سرسید کو کئی ایڈریس مختلف جماعتوں کی طرف سے دئے گئے
منجملہ ان کے اپنی نوعیت کے لحاظ سے جو نیا ایڈریس تھا وہ خواتین
پنجاب کا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ جدید میں طبقۂ نسواں کیطرف
سے اپنے طبقہ کی اصلاح کی کوشش میں آواز بلند کرنا اور ایک محسن
قوم کے کارنامۂ حیات کو شکر گزاری اور احسان مندی کی نظر سے
دیکھنا چونکہ اسلام کے طبقۂ صنف نازک میں یہ پہلی مثال تھی اسلئے
ہر شخص سرسید کے خیالات سننے کا مشتاق تھا۔ چنانچہ جواب اڈریس
کے سلسلہ میں جو سرسید نے تقریر کی وہ نہ صرف خیالات اور
رائے کے لحاظ سے بلکہ ادب اردو میں بہترین اضافۂ خیالات
کے ساتھ آہنگ جان سخن سمجھی جاتی ہے۔ کانفرنس کا ابتدائی دور

دورہ تھا۔ قدیم خیالات اور تعلیمی تعصبات کو دور کرنے کے لئے معاونین اور مددگاروں کی کمی تھی اس لئے سردار صاحب نے تین سال تک یعنی ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۰ء تک لاہور۔ علی گڑھ۔ الہ آباد کے، مسلسل تین جلسوں کی صدارت کے فرائض انجام دینے کی کوشش کی۔ ۱۸۸۸ء میں پنجاب میں سب سے پہلا اجلاس کانفرنس کا لاہور میں ہوا جو زیر سرپرستی انجمن اسلامیہ عمل میں آیا۔ سردار صاحب اس انجمن کے لائف پریسیڈنٹ تھے۔ اس زمانے میں بڑے بڑے خطبوں کے دینے کا رواج نہ تھا۔ لیکن جو تقریر آپ نے کی تھی اس سے اعلیٰ خیالات اور وسیع، معلومات کا پتہ چلتا ہے۔

اجلاس ششم

منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۱ء

صدر نواب حاجی محمد اسحٰق خانصاحب مرحوم پنشنر ڈسٹرکٹ وسشن جج سابق

(آنریری سکرٹری مدرستہ العلوم علیگڑھ)

آپ نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک محمد مصطفےٰ خانصاحب مظفر جنگ دہلوی بہ حسرتی وشیفتہ تعلقدار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے صاحبزادہ تھے۔ آپ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور آپ کی تعلیم و تربیت زیر نگرانی مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ ہوئی تھی۔ آپنے آگرہ کالج سے امتحان انٹرنس اول درجہ میں پاس کیا تھا۔ آپکی قابلیت مسلمہ تھی اور اخلاق وکمالات کا ہر شخص معترف تھا۔ ۱۸۹۶ء میں رامپور، میں مدار المہام ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں حج کیا۔ ۱۹۱۳ء میں، آنریری سکرٹری کالج ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں حرکت قلب بند ہوجانے سے یکایک انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اجلاس ہفتم

منعقدہ دہلی ۱۸۹۲ء

(صدر مولوی حشمت اللہ صاحب مرحوم ایم اے آئی سی ایس)

آپ کے دادا مولوی کفایت اللہ حیدرآباد دکن میں مشہور خوشنویس عربی و فارسی کے استاد تھے۔ درس و تدریس کا شغل تھا۔ انھوں نے ترک وطن کرکے بانس بریلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مولوی حشمت اللہ صاحب ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ بلا کے ذہین تھے فارسی۔ عربی۔ انگریزی میں خاص قابلیت تھی ۱۸۸۶ء میں ملازمت میں داخل ہوئے اور ۱۹۱۶ء میں پنشن لے لی۔ رحمدل اور با اخلاق تھے۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۹ء میں بمقام آگرہ انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اجلاس ہشتم

(منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۳ء)

صدر نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی خانصاحب مرحوم نمبر نواز جنگ بہادر

آپ ۹ر دسمبر ۱۸۳۷ء کو اپنے وطن اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ فطرتاً طباع اور ذہین تھے۔ فارسی۔ عربی کی تعلیم حاصل کی شروع میں دس روپیہ ماہوار پر کلکٹری میں محرر مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۱ء میں تحصیلدار ہوگئے۔ ۱۸۶۷ء میں ڈپٹی کلکٹری پر ترقی ہوئی ۱۸۷۴ء میں مستعفی ہوگئے۔ سرسالار جنگ اول کی خواہش پر سرسید کی، سفارش سے آٹھ سو روپیہ پر حیدرآباد چلے گئے۔ ۱۸۹۳ء میں فنانشیل اور پولٹیکل سکرٹری کے عہدہ سے آٹھ سو کا وظیفہ لیکر رخصت ہوئے۔ سرسید کی رفاقت اس وقت کی ہے جب ایک دو رفقار کے سوا کوئی اور تیسرا نہ تھا۔ قومی درد رکھتے تھے۔ وسیع الاخلاق اور وسیع الخیال تھے۔ حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد علیگڑھ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ سید محمود کی جانشینی کے بعد آپ آنریری سکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ کے زمانہ میں کالج نے حیرت انگیز، ترقی کی۔ سرسید کے انتقال کے وقت طلبار کی تعداد ۱۸۹۸ء میں ۳۴۳ تھی اور نوابصاحب کی وفات کے وقت ۱۹۰۷ء میں ۸۶۲ تک پہونچ گئی تھی۔

اجلاس نہم

منعقدہ علی گڑھ ۱۸۹۴ء

صدر جسٹس میاں محمد شاہ دین صاحب مرحوم بی۔ اے خان بہادر بیرسٹرایٹ لا

آپ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ خاندان باغبانپورہ کے چشم وچراغ تھے جو متصل باغ شالامار لاہور آباد ہے۔ آپ بچپن سے

مہذب، متین اور ذہین طالب علم تھے۔ بی۔ اے تک اعزازی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۸۸۷ء میں بغرض تعلیم قانون انگلستان تشریف لے گئے۔ بار ایسوسی ایشن میں کامیاب بیرسٹر شمار ہوتے تھے۔ قابلیت و شہرت کی وجہ سے لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے شرح محمدی میں آپ کی قابلیت خصوصیت کے ساتھ مشہور تھی۔ کم بولتے تھے زیادہ غور فرماتے تھے۔ ایسے امورات کو جو قومی بہبودی پر لگاؤ رکھتے ہوں دلبستگی کے ساتھ پسند فرماتے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ ہمایوں تخلص تھا۔ کلام میں صفائی و خیالات کا میابی بلند تھا۔ آپ ۲۶ سال کی عمر میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر ہو کر علی گڑھ تشریف لائے۔ ۱۹ سال کے بعد دوبارہ اسی مجلس کے آگرہ میں صدر ہوئے۔ پستہ قامت۔ نحیف الجثہ لاغر اندام تھے۔ جدید تعلیم کی ایسی مثال تھے جن کی جگہ ابتک خالی نظر آتی ہے۔ عرصہ دراز تک امید نظر نہیں آتی کہ اس عالمانہ شان کے طالب علم ہماری یونیورسٹیاں پیدا کر سکیں۔ جولائی ۱۹۱۸ء میں پچاس سال کی عمر میں آپ نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اجلاس دہم

منعقدہ شاہجہانپور ۱۸۹۵ء

(صدر نواب محسن الملک بہادر مولوی سید مہدی علیخانصاحب)

(آپ کے حالات اجلاس ہشتم میں تحریر ہو چکے ہیں)

اجلاس یازدہم

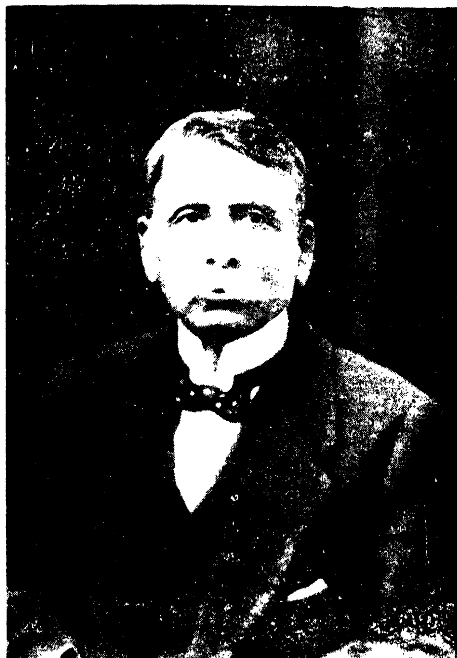
(منعقدہ میرٹھ ۱۸۹۶ء)

صدر نواب علی خاں بہادر مومن جنگ عماد الدولہ عماد الملک مولوی (سید حسین صاحب مرحوم بلگرامی)

۱۸۴۲ء میں بمقام صاحب گنج ضلع گیا پیدا ہوئے۔ آپکے والد سید زین الدین حسین بہار میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حرف شناسی کے بعد قرآن شریف و فارسی کی مختصر تعلیم حاصل کر کے عربی کی طرف پوری توجہ کی۔ چودہ سال کی عمر میں عربی سے فارغ ہو کر انگریزی شروع کی۔ ۱۸۶۲ء میں فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس کیا۔ نتیجہ میں پندرہ روپیہ کا وظیفہ قابلیت حاصل کیا۔ ۱۸۶۳ء میں پریسیڈنسی کالج سے اول درجہ میں ایف۔ اے پاس ہو کر پچیس روپیہ کا وظیفہ لیا۔ ۱۸۶۴ء میں والد کے ہمراہ بلگرام آئے اور شادی ہوئی۔ ۱۸۶۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے اول درجہ میں بی۔ اے کیا۔ سترہ سال کی عمر میں علوم مشرقی و مغربی کے فاضل بن گئے۔ کیننگ کالج میں چھ سال تک عربی کے پروفیسر رہے۔ اسی زمانہ میں لکھنؤ ٹائمس کو ایڈٹ کیا۔ جون ۱۸۷۳ء میں سرسالار جنگ اول کے پرائیوٹ سکرٹری ہو کر حیدرآباد پہونچے۔ ۱۸۷۶ء میں سرسالار جنگ کے ہمراہ انگلستان کا سفر کیا۔ واپسی یورپ پر معتمدی خانگی کے علاوہ معتمدی امور متفرقہ کی خدمت بھی تفویض ہوئی جس کا ایک شعبہ تعلیمات تھا۔ ۱۸۸۲ء میں بتقریب مسند نشینی اعلیٰحضرت علی یار خاں مومن جنگ کے خطاب سے سرفراز ہو کر اعلیٰحضرت کے پرائیوٹ سکرٹری مقرر ہو۔ لیاقت و قابلیت کے جوہر کھلنے پر محبوب خطاب عماد الدولہ، عماد الملک ملا۔ حیدرآباد میں تعلیمی سطح بہت پست تھی اس لئے دیگر اعلیٰ مناصب سے قطع تعلق کر کے ۲۳ سال نظامت تعلیمات پر مامور رہے۔ ۱۹۰۷ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔ سرسید کے کاموں میں شروع سے ساتھ رہے۔ فیاضی کے ساتھ اکثر جیب سے مدد دی۔ بارہا حکومت آصفیہ کو امداد دینے کی کامیاب ترغیب دی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پہلے دن سے سرپرست و معین و مددگار رہے۔ پہلی مرتبہ بزمانۂ حیات سرسید دوسری مرتبہ سنہ ۱۹۱۰ء میں اجلاس رامپور کی بھی صدارت فرمائی۔ دار المصنفین اعظم گڑھ کے شروع سے سرپرست رہے۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا شعبہ انجمن ترقی اردو آپ ہی کی عنایت کا رہین منت ہے۔ نوجوانان قوم نے جب [illegible]ء میں سلطانیہ کالج دہرہ دون میں قائم کرنیکا ارادہ ظاہر کیا تو سب سے پہلے آپ ہی کا دست کرم اعانت کے لئے بڑھا۔ تہذیب و اشاعت کتب قدیمہ کے سررشتہ کی کامیابی کی ذمہ داری دکن میں آپ ہی کے ضعیف کندھوں پر رہی۔ کلیات خسرو کی اشاعت کا اہتمام آپ ہی کی تحریک پر ہوا۔ کتب خانۂ آصفیہ آپ کی مساعی حسنہ

رائٹ آنریبل مسٹر جسٹس سید امیرعلی مرحوم



هز هائنیس سلطان محمد شاه آغاخان





آنریبل مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی مرحوم



جسٹس میاں محمد شاہ دین صاحب مرحوم



نواب عماد الدولہ عماد الملک مولوی سید حسین صاحب مرحوم بلگرامی



آنریبل نواب حاجی فتح علی خان قزلباش مرحوم

سر تھیوڈور ماریسن



منیر الدولہ ممتاز الملک آنریبل خلیفہ سید محمد حسین مرحوم





آنریبل جسٹس سید شرف الدین صاحب مرحوم

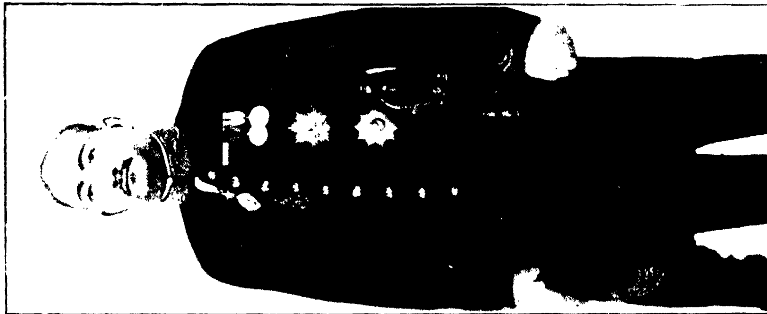
شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مرحوم



آنریبل نواب سر خواجہ سلیم اللہ صاحب مرحوم کے سی ایس آئی



آنریبل مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں صاحب کے سی ایس آئی



کا نتیجہ ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ انگریزی میں کرنے کی طرف طبیعت مائل ہوئی لیکن افسوس کہ سترہ پاروں کا ترجمہ کرنے کے بعد صحت کی خرابی نے کام روک دیا۔ ترجمہ مذکور کا مسودہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ جب بھی کبھی، شائع ہوگا تو دنیا کو مولانا کی قابلیت کا اندازہ کرنا مشکل ہوگا کہ کس فصاحت و بلاغت سے معانی و مطالب کو ادا فرمایا ہے۔ آپ مدراس یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں یونیورسٹی کا کانووکیشن ایڈریس دیا تھا۔ ہندوستانی یونیورسٹیوں کی تفتیش پر وائسرائے نے کمیشن کا ممبر آپ کو بھی بنایا تھا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں انڈیا کونسل کے سب سے پہلے ممبر ہوئے لیکن بوجہ علالت انگلستان میں زیادہ نہ رہ سکے۔ حیدر آباد واپس آئے۔ صاحب فراش تھے لیکن مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔ ۸۴ سال کی عمر میں ۳ جون سنہ ۲۶ء بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون" حیدر آباد میں مقام دفن اہپرسٹ خود ہی تجویز کر دیا تھا۔

اجلاس دوازدہم

(منعقدہ لاہور سنہ ۱۸۹۸ء)

(صدر نواب حاجی فتح علی خاں صاحب قزلباش مرحوم سی آئی ای۔ رئیس لاہور)

آپکے اسلاف قندہار کے باشندے تھے۔ نوابصاحب موصوف کی لاہور میں خاص وقعت تھی۔ شیعہ جماعت کے مسلم لیڈر رہتے۔ آپکا نام شیعہ کالج کے بانی کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیگا۔ محمدن کالج علی گڑھ کے پرانے ٹرسٹی تھے۔ مسلم یونیورسٹی کو فیاضانہ امداد دی۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اسلامیہ کالج لاہور کی کمیٹی کے پریسیڈنٹ تھے۔ آپ خلیق۔ متواضع۔ پابند مذہب وسیع الخیال حامی تعلیم تھے۔

اجلاس سیزدہم

(منعقدہ کلکتہ سنہ ۱۸۹۹ء)

(صدر رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی مرحوم ایم۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای)

آپ ۶ اپریل سنہ ۱۸۴۹ء کو بمقام چنسورہ بنگال میں پیدا ہوئے آپکے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید سعادت علی صاحب تھا۔ جنکے اسلاف کا شاہان ایران کے دربار سے تعلق تھا۔ آپکے جد امجد سید احمد فاضل سنہ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ جب نادر شاہ دہلی سے واپس ہوا، تو انھوں نے معہ دیگر ہمراہیوں کے شاہ دہلی کی ملازمت اختیار کی اور دہلی ہی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ جس وقت مرہٹوں نے دہلی کو لوٹا ہے اور سلطنت مغلیہ پر زوال آیا ہے تو سید سعادت علی صاحب معہ اپنے بھائیوں کے لکھنؤ چلے آئے اور نواب اودھ کی طرف سے خدمات حاصل کر کے قصبہ موہان ضلع اناؤ میں بود و باش اختیار کر لی اور پھر اودھ کے الحاق سے قبل بنگال کو چلے گئے۔ سید امیر علی ابتدائی تعلیم کے بعد ہوگلی کالج میں داخل ہوئے۔ بیحد ذہین اور تیز تھے۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں گریجویٹ ہوکر ایک سال بعد تاریخ اور پولیٹیکل اکانمی میں ایم۔ اے کیا اور پھر اسی کالج میں قانونی امتحان بی۔ ایل۔ آنرز کے ساتھ پاس کیا۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں، اسٹیٹ اسکالرشپ حاصل کر کے بیرسٹری کے لئے لندن چلے گئے سنہ ۱۸۷۳ء میں کامیاب ہوکر واپس آئے۔ کلکتہ میں وکالت شروع کر دی۔ کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں پریسیڈنسی کالج کلکتہ میں شرع محمدی کے لکچرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں "سنٹرل نیشنل محمدن ایسوسی ایشن" قائم کی سنہ ۱۹۰۴ء تک ہگلی کے امام باڑہ کے صدر بھی رہے۔ سنہ ۱۸۷۸ء میں پریسیڈنسی کے مجسٹریٹ ہوئے۔ قابلیت اور حسن خدمات کے سبب کچھ عرصہ کے بعد چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ ہوئے۔ اس سے مستعفی ہوکر پھر پریکٹس شروع کر دی۔ سنہ ۱۸۸۳ء تک کونسل کے ممبر بھی رہے۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں سی۔ آئی۔ ای کا خطاب ملا سنہ ۹۰ء میں ہائی کورٹ کلکتہ کے جج ہوئے۔ وقف علی الاولاد کی بل کا آغاز انھیں کا رہین منت ہے۔ چودہ سال کے بعد سنہ ۱۹۰۴ء میں ججی سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں پریوی کونسل میں جانیکا اعلان ہوا۔ یہ پہلے ہندوستانی ہیں جو شاہی کونسل میں داخل ہوئے۔ آپنے انگریزی میں، بہترین کتابیں تصنیف کی ہیں جنکا سکہ یورپ تک بیٹھا ہوا ہے۔ مورخ اسلام کی حیثیت سے انکا پایہ بہت بلند ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں انقلاب ٹرکی پر آپنے انجمن، ہلال احمر کی بنیاد ڈالی۔ اسکے علاوہ بھی وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ عرصہ تک تاریخی حیثیت سے یادگار رہیں گے۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں کانفرنس کو کلکتہ میں آپ ہی نے مدعو کیا۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں اعلیٰ اور ادبی خدمات کے اعتراف پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے "ڈاکٹر آف لٹریچر" کی ڈگری دی۔ سنہ ۲۹ء بمقام لندن انتقال ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اجلاس چہاردہم

منعقدہ رامپور سنہ ۱۹۰۰ء

صدر علی یار خاں بہادر مومن جنگ عماد الدولہ عماد الملک مولوی سید حسین صاحب مرحوم

(حالات اجلاس یازدہم منعقدہ میرٹھ سنہ ۱۸۹۶ء میں تحریر ہیں)

اجلاس پانزدہم

منعقدہ مدراس سنہ ۱۹۰۱ء

(صدر آنریبل جسٹس باڈم صاحب چیف جسٹس ہائی کورٹ مدراس)

آپ ان نامور علماء یورپ میں سے تھے جو ہندوستان میں ایسے لوگوں کو نفع پہونچانے آئے تھے جو تعلیم میں کمزور رہتے۔ حتی المقدور مسلمانان مدراس

کی تعلیمی ترقی میں کوشش کی۔ آپ انجمن مفید الاسلام مدراس کے پریذیڈنٹ تھے کانفرنس ہذا کے آپ بڑے پُرجوش صدر تھے۔ آپ نے عملی طور سے ہمدردی و اثر کے ذریعہ اجلاس کانفرنس کو کامیاب بنانیکی کوشش کی۔ کانفرنس کی تاریخ میں یہ پہلا جلسہ تھا جو اسکے مرکز سے اتنے دور دراز فاصلہ پر نواب محسن الملک بہادر کی سرگردگی میں کامیاب ہوا۔

اجلاس شانزدہم

منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۰۲ء

(صدر ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان جی۔ سی۔ آئی۔ ای)

آپ نسباً علوی ہیں۔ جب مصر میں بنی فاطمہؓ کی حکومت قائم تھی تو بارگاہ خلافت کے حکمراں آپ ہی کے اجداد تھے۔ بعد زوال خلفائے بنی فاطمہؓ آپ کے بزرگوں نے ایران کی سکونت اختیار کر لی۔ آپکی دادی فتح علی شاہ قاچار کی بیٹی تھیں۔ آپکے دادا حسن علیشاہ آغا خان کرمان کے گورنر تھے سیاسی امور کے سبب حسن علیشاہ آغا خان کو ایران کی حکومت ترک، کرنی پڑی اور کابل ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ سندھ میں جنرل نیپیر کی رفاقت حاصل کر کے جنگ افغانستان میں شرکت کی۔ برطانیہ کے حق میں کارہائے نمایاں کئے۔ بمبئی اور پونا میں سکونت اختیار کر لی۔ ہز ہائنس کا خطاب ملا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں ان کی وفات کے بعد انکے بڑے، صاحبزادہ ہز ہائنس آغا علی شاہ اپنے والد کے جانشین ہوئے انکے بعد سنہ ۱۸۸۵ء میں ہز ہائنس سر سلطان محمد شاہ آغا خان دس سال کی عمر میں جانشین ہو کر اسماعیلیہ فرقہ کے پیشوا کی حیثیت سے مسند ارشاد پر بیٹھے۔ آپ نے عربی۔ فارسی انگریزی میں اعلیٰ قابلیت حاصل کرنے کے علاوہ مردانہ کھیلوں میں کافی، ملکہ حاصل کیا۔ آپ مذہبی پیشوا اور سردار ہی نہیں۔ ہندوستان کے مسلمان عام طور پر اپنا لیڈر اور سردار مانتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں شملہ پر مسلمانوں کے مشہور ڈیپوٹیشن کے روح رواں آپ ہی تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں انگلستان سے واپس ہو کر کانفرنس کے اجلاس ناگپور میں ایک لاکھ روپیہ کی رقم دیکر، مسلم یونیورسٹی کے قیام کی کوشش میں قوم سے تیس لاکھ کی اپیل کی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے ہر گوشہ میں قوم میں جان ڈالنے کی کوشش کی۔ مسلم یونیورسٹی میں چند مرتبہ ورود فرمایا اور ہمیشہ امداد دی۔ دنیا کے مسلمانوں کے شریک حال ہیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں دربار شاہی کے موقع پر کانفرنس کا اجلاس دہلی میں ہوا تو ہز ہائی نس پھر اس کے صدر منتخب ہوئے تھے مگر موصوف کی غیر متوقع عدم شرکت کیوجہ سے خطبۂ صدارت نواب عماد الملک بہادر نے پڑھا تھا۔ سنہ ۲۹ء میں بمقام دہلی آپ مسلمانوں کی سیاسیات کے متفقہ لیڈر رہے اسی طرح گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں آپ کل مسلمانوں کے متفقہ اسپوک مین آخر تک رہے۔

اجلاس ہفت دہم

(منعقدہ بمبئی سنہ ۱۹۰۳ء)

صدر آنریبل جسٹس بدرالدین طیب جی مرحوم بیرسٹر ایٹ لا۔ رئیس بمبئی

آپ کے اسلاف عربی نژاد تھے۔ ہندوستان پہونچکر کھمبات اور بمبئی میں سکونت اختیار کی۔ آبائی پیشہ تجارت تھا۔ بدرالدین طیب جی سنہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ سولہ سال کی عمر تک بمبئی میں تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد انگلستان چلے گئے۔ سنہ ۱۸۶۷ء میں بیرسٹری پاس کر کے واپس ہوئے۔ مسلمانوں میں پہلے طالب علم تھے جو قانونی تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ بمبئی ہو چکر، ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کی۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں ہائی کورٹ کی معزز بینچ پر جگہ ملی جہاں قانونی جج کے علاوہ قاضی بھی ہوئے۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں، ملکی پالیٹکس میں حصہ لینا شروع کیا۔ سنہ ۸۷ء میں نیشنل کانگریس کے سب سے پہلے مسلمان صدر ہوئے۔ انجمن اسلام کی شاندار عمارت بمبئی میں وکٹوریہ ٹرمنس کے قریب آپ ہی کی یادگار ہے۔ آپ کی تعلیمی کوشش ذکور ہی، تک محدود نہیں بلکہ طبقۂ نسواں میں بھی نمایاں حصہ نظر آتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بمبئی میں آپ ہی کی توجہ، اور صدارت میں ہوا۔ زمانۂ کانفرنس بمبئی میں مالابار ہل کے اوپر، اپنے بنگلہ میں تمام مہمانان کانفرنس کو شاندار دعوت دی تھی۔

اجلاس ہیزدہم

منعقدہ لکھنؤ سنہ ۱۹۰۴ء

صدر سر تھیوڈور ماریسن سابق پرنسپل ایم۔ اے۔ او۔ کالج علیگڑھ

آپ ایک علمی خاندان کے فرد ہیں۔ ٹرنیٹی کالج کے گریجویٹ، ہیں۔ بطور اتالیق مہاراجہ چھترپور ہندوستان تشریف لائے تھے سنہ ۱۸۸۹ء میں انگریزی زبان کے پروفیسر ہو کر علی گڑھ آئے۔ سر سید انکو بہت، عزیز رکھتے تھے۔ فٹ بال عمدہ کھیلتے تھے۔ اس کھیل کو انھوں نے کالج میں رواج دیا۔ جوانی میں اچھے شہسوار تھے۔ تعطیل میں بھالے سے سور کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ کالج کی مفید تحریکات میں برابر حصہ لیتے تھے۔ جب برادرہڈ قائم ہوا تو اسکے صدر ماریسن ہی تھے۔ اس کے سالانہ، اجلاس میں جو خطبۂ صدارت انھوں نے پڑھا وہ سر سید نے اسٹریچی ہال، کے برآمدہ میں ستون پر کندہ کرا دیا۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں کہیں ہوتا آپ ضرور شرکت کرتے۔ مارہرہ۔ تلہر۔ جلالی وغیرہ میں اکثر ایکبار سے زائد جا کر اسلامیہ مدرسوں کا افتتاح کیا۔ کالج سے علیحدگی کی خیال سے ولایت جانے کے بعد ستمبر ۱۸۹۹ء میں مسٹر بیک پرنسپل کالج

کے انتقال پر ٹرسٹیان کالج نے کالج کی پرنسپلی مسٹر ماریسن کو بذریعہ تار پیش کی۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں اسکو قبول کرکے بحیثیت پرنسپل علی گڑھ کالج تشریف لائے۔ اس قدر نام پیدا کیا کہ کالج میں غیر ممالک کے طلبار آنے لگے۔ ۱۹۰۶ء کے بعد کالج کی ملازمت سے مستعفی ہوکر ولایت چلے گئے وہاں پہونچکر لارڈ مارلے کی کونسل کے ممبر ہوگئے۔ اسی سلسلہ میں سی۔ آئی۔ ای۔ کا خطاب ملا۔ سروس کمیشن کے ممبر مقرر ہوکر دو سال تک ہندوستان کا دورہ کیا۔ جنگ عظیم چھڑنے پر بحیثیت کرنیل انگریزی فوج میں شامل ہوگئے۔ بعد اختتام جنگ کے سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا۔ انگلستان واپس ہونے پر آرمسٹرونگ کالج نیوکیسل ان ٹائن کے پرنسپل مقرر ہوگئے۔ آپ بہترین مصنف ہیں۔ محمدن کالج علی گڑھ کی بھی ایک مختصر تاریخ لکھی ہے

اجلاس نوزدہم

منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۹۰۵ء

صدر مشیر الدولہ ممتاز الملک خان بہادر خلیفہ سید محمد حسین صاحب مرحوم

آپ ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بزرگ سید جلال الدین حسین صاحب معروف بہ جلال بخاری سنہ ۶۳۵ھ میں ملتان تشریف لائے۔ حضرت جلال بخاری کا مزار بمقام اچ شریف ریاست بہاولپور مرجع خاص و عام ہے۔ ریاست کی طرف سے مزار کے لئے جاگیر مقرر ہے۔ سید جلال بخاری کے پوتے مخدوم جہانیاں جہاں گشت باخدا بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سید نظام الدین صاحب دہلی سے سنہ ۸۰۲ھ میں قصبہ سامانہ میں آکر آباد ہوئے جو پٹیالہ سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ انھیں بخاری سادات سامانہ میں سے حکیم سید غلام حسن نامور طبیب گذرے ہیں جو خلیفہ سید محمد حسین صاحب کے دادا تھے۔ انکے بیٹے حکیم سید سعادت علی صاحب عرصہ دراز تک طبیب شاہی کی حیثیت سے مہاراجہ کرم سنگھ پٹیالہ کی خدمت بجالاتے رہے۔ مہاراجہ نے ان کی علمی قابلیت پر نظر کرکے مہاراجہ نرندر سنگھ ولیعہد کا اتالیق مقرر فرمایا۔ لفظ خلیفہ محمد حسین صاحب کو وراثتاً اپنے خاندان سے ملا۔ خلیفہ صاحب مسلمانوں کی قدیم تہذیب کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اپنے نامور اسلاف کے قدم بقدم ریاست پٹیالہ کی اہم خدمات وفاداری اور تدبر کے ساتھ انجام دیں جس کے صلے میں انعامات اور جاگیریں ملیں۔ برٹش گورنمنٹ نے بھی انکی نمایاں حیثیت و قابلیت کا اعتراف کرکے مشیر الدولہ ممتاز الملک اور خان بہادری کے خطابات عطا فرمائے۔ پنجاب کی سب سے پہلی لیجسلیٹو کونسل میں پٹیالہ کے بہترین عہدہ دار کی حیثیت سے ممبر منتخب ہوئے جب پنجاب میں اردو ہندی کا سوال اٹھا تو خلیفہ صاحب نے اس تجویز کی، کہ ہندی قائم ہو پرزور مخالفت کی اور اردو قائم رہی۔ جب علی گڑھ کالج میں شیعوں اور سنیوں کی جدا جدا مسجدیں تعمیر ہونیکی تجویز پیش ہوئی تو آپنے مخالفت کی کہ یکجہتی قائم نہیں رہ سکتی۔ آپ مذہباً راسخ العقیدہ شیعہ تھے لیکن سنیوں اور شیعوں کے باہمی رشتۂ اخوت کو قومی ترقی کا نصب العین سمجھتے تھے۔ تعلیم کے حامی تھے۔ تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ اعجاز التنزیل اور ترجمہ سیر و سیاحت ڈاکٹر بریئر۔ دونوں کتابیں بہترین یادگار رہیں۔ آپ کی ذات۔ سچائی۔ ہمدردی۔ نیکی۔ بلند ہمتی۔ علمی اور عملی اخلاق کا نمونہ تھی۔ افسوس کہ ۱۹۰۸ء میں وہ شمع حیات گل ہوگئی جس نے ہندوستان کو نور سے معمور کر رکھا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اجلاس بستم

منعقدہ ڈھاکہ سنہ ۱۹۰۶ء

صدر آنریبل جسٹس سید شرف الدین صاحب مرحوم صدر اجلاس بستم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

سید شرف الدین مرحوم نیورہ ضلع بانکے پور کے باشندہ تھے جو، بانکے پور پٹنہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ یہ موضع سادات نیورہ کے نام سے مشہور ہے۔ نیورہ کی خاک کو بھی مثل بلگرام۔ کاکوری خیرآباد مارہرہ وغیرہ فخر رہیگا کہ شمس العلماء نواب سید امداد امام مؤید الملک نواب سر علی امام جسٹس سید حسن امام۔ جسٹس سید شرف الدین اس زمین سے اٹھکر آفتاب کمال بنکر چمکے۔

سید صاحب ۱۸۷۹ء میں بیرسٹری پاس کرکے ہندوستان آئے پیشۂ وکالت میں بہت جلد ترقی کی۔ بہت کم عرصہ ہی میں مسلمانان بہار کے لیڈر ہوگئے اور ملکی پالیٹکس میں حصہ لینا شروع کردیا۔ نیشنل کانگریس کے شروع سے حامی ہوکر ممبر بن گئے تھے۔ ولایت سے واپس آنے والے نوجوان مسلمان اکثر مذہب سے بیگانہ ہوجاتے ہیں۔ لیکن آپ ہی پہلے مسلمان بیرسٹر تھے کہ واپسی انگلستان پر حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ آخری وقت تک حسن عقیدت، برابر رہا۔ جب صوبہ متحدہ میں مسلمانوں کے خلاف گورنمنٹ کی پالیسی، روز افزوں ترقی پر تھی تو مسلمانوں کو اپنی پولٹیکل جماعت بنانے کا خیال پیدا ہوا اور نواب وقار الملک مرحوم نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانیکی، کوشش کی۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں بمقام لکھنؤ جلسۂ شوریٰ منعقد ہوا۔ آپ اس جلسہ کے پریسیڈنٹ تجویز ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔

المختصر ممدوح ذاتی صفات و وجاہت کے سبب صوبہ بہار ہی میں نہیں ہندوستان کے ہر صوبہ میں وقعت اور امتیاز کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

اجلاس بست ویکم

(منعقدہ کراچی ۱۹۰۷ء)

صدر شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی (مرحوم)

آپ کے مورث اعلیٰ خواجہ ملک علی قبیلۂ انصار سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہندوستان آئے۔ سلطان نے خواجہ کے شرافت نفس کا پورا پورا احترام کیا۔ پانی پت میں عمدہ دیہات بطور مدد معاش عنایت فرما کر پانی پت کے منصب قضا و تولیت مزارات ائمہ کے اعزازات میں جو نواح پانی پت میں واقع ہیں شیخ کو سپرد کر دئے۔ خواجہ حالی انھیں خواجہ ملک علی کی اولاد تھے۔ آپ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے تھے آپ کی عمر آٹھ نو سال کی تھی کہ والدین انتقال فرما گئے۔ آپ کے بھائی خواجہ امداد حسین نے سرپرستی کی۔ سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرایا۔ سید جعفر علی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ حاجی ابراہیم حسین مجتہد انصاری سے صرف و نحو پڑھی۔ سترہ سال کی عمر میں بھائی بہن کے اصرار سے شادی کی۔ پڑھنا لکھنا چھوٹ گیا۔ گھر والوں کی خواہش ہوئی اب نوکری کریں۔ یہ چھپکر دہلی پہونچے اور دہلی پہونچکر مولوی نوازش علی صاحب مشہور واعظ و معلم سے ڈیڑھ سال تک صرف و نحو منطق کا درس لیا۔ ہنوز سلسلۂ تعلیم پختہ نہ تھا کہ اعزہ کے اصرار پر ۱۸۵۵ء میں پانی پت آنا پڑا۔ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار کی کلکٹری میں کسی آسامی پر مقرر ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کا فتنہ اٹھا۔ آپ بھی حصار سے پانی پت چلے آئے۔ چار سال تک باہر نہیں نکلے۔ چونکہ تعلیم سے سیری نہوئی تھی پھر شوق ابھرا۔ پانی پت کے مشہور فضلاء مولوی عبدالرحمن۔ مولوی محب اللہ۔ صفدر علی وغیرہ سے منطق۔ فلسفہ۔ حدیث۔ تفسیر کے درس لیتے رہے۔ جب کوئی نہ ہوتا تو مطالعہ کتب سے استعداد بڑھاتے اوپر کی کتابیں لغت اور شرح کی مدد سے دیکھتے۔ دہلی میں مرزا نوشہ کو مشاعروں میں غزلیں پڑھتے دیکھا تھا۔ بعض اشعار جو انکی سمجھ سے بالاتر ہوتے خود مرزا غالب سے پوچھکر حل کرتے۔ قصائد غالب کے چند اسباق خود مرزا غالب نے مولانا کو پڑھائے تھے۔ شاعری ان کی فطرت میں داخل تھی۔ غدر کے بعد جب آپ کی عمر تیس سال کی تھی تلاش معاش میں پھر دہلی آئے اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس دہلی و تعلقدار جہانگیر آباد سے ملاقات ہوئی۔ بسلسلۂ مصاحبت آٹھ سال تک نواب صاحب سے تعلق رہا۔ اس کے بعد پنجاب بک ڈپو میں ملازمت کی۔ اسی زمانہ میں طبیعت مجازی حقیقت سے بدل گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ قوم میں نکبت و افلاس مایوسی اور جہل کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ سرسید سے ملاقات ہوئی۔ قومی نظم کی فرمائش کی۔ دل افسردہ ہو چکا تھا۔ قومی محبت کی آہ سوزاں "مسدس حالی" کی شکل میں دھواں بنکر نکلی جس نے نیم جان اور بے حس قلوب کو چونکا دیا۔ جس وقت سرسید کے پاس چند نسخے پہونچے ہیں اور سرسید نے رسید اور شکریہ کا خط لکھا ہے۔ منجملہ دیگر فقروں کے ایک فقرہ قابل غور ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ

"جب خدا مجھ سے پوچھیگا تو کیا لایا تو میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔"

آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ۱۸۸۸ء میں نواب وقار الامراء کی توجہ سے پچھتر اور پھر سو روپیہ حیدرآباد سے وظیفہ ہو گیا تھا۔ آخر عمر میں صحت خراب ہو گئی تھی۔ بالآخر ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اجلاس بست ودوم

منعقدہ امرتسر ۱۹۰۸ء

(صدر آنریبل نواب سر خواجہ سلیم اللہ مرحوم جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ رئیس ڈھاکہ)

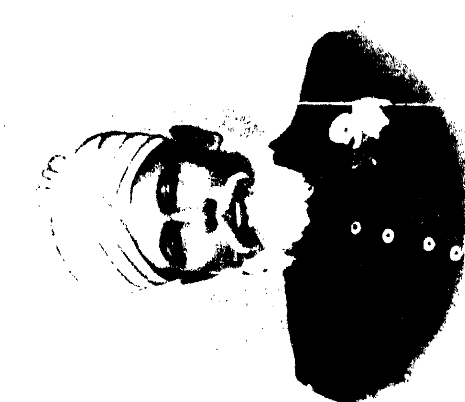
آپ کے اجداد متوطن کشمیر تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سے خواجہ عبدالحکیم نے ترک وطن کرکے سلہٹ میں سکونت و تجارت شروع کی۔ کچھ عرصہ میں بڑے تاجر ہو گئے اور بہت سی جائداد خرید لی۔ ان کے دادا نواب سر عبدالغنی خاں نے زمینداری کو بہت کچھ وسعت دی وہ بڑے ہوشمند اور دوراندیش تھے۔ لاکھوں روپیہ رفاہ عام میں صرف کیا۔ گورنمنٹ میں خاص وقعت تھی۔ ان کے بیٹے سر احسن اللہ خاں ان کے جانشین ہوئے جو مثل اپنے والد کے مخیر اور فیاض طبع شخص تھے۔ بنگال کی مسلمانوں میں ان کا سب سے بڑا درجہ تھا۔ ان کے بعد انکے بیٹے سر سلیم اللہ ارادہ کے مضبوط۔ بلند ہمت۔ فیاض طبیعت ہمدرد ملت جانشین ہوئے۔ بزمانۂ حیات والد ڈپٹی کلکٹر بھی رہ چکے تھے۔ آپ کی قوت ارادی بہت زبردست تھی۔ ارادہ میں جب تک کامیاب نہوتے منہمک رہتے۔ بنگال میں جب تک بنگالیوں نے زبردست ایجی ٹیشن کیا۔ آپ گورنمنٹ کے حامی رہے اور بنگالیوں کو اپنے جوہر دکھا دئے۔ تمام ہندوستان کے بنگالی شجاعت کا لوہا مان گئے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس و مسلم لیگ کو دعوت دی۔ مہمانوں کی مدارات میں چالیس ہزار صرف کیا۔ امرتسر سے لوٹ کر نواب صاحب پہلی مرتبہ علی گڑھ آئے جہاں مختلف مدات میں زرپاشی کی۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور ۴۵ سال کی عمر میں ۱۹۱۵ء میں انتقال کیا انا للہ وانا الیہ راجعون

نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر سر اکبر حیدری



آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ

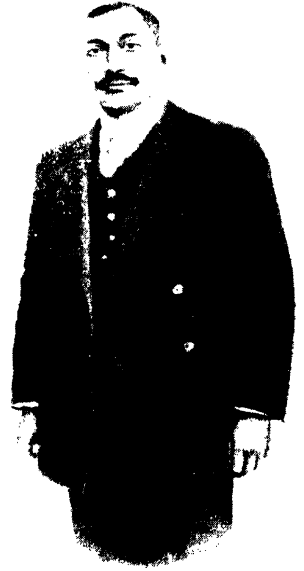




آنریبل نواب سر شمس الہدیٰ کے سی ایس آئی

سرکر

علیگڑھ



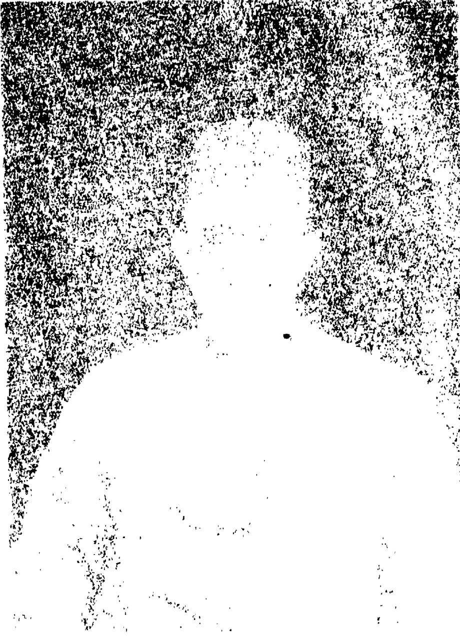
مسٹر عبداللہ ابن یوسف علی آئی سی ایس



آنریبل جسٹس سر عبدالرحیم کے سی آئی ای



آنریبل خان بہادر میاں سر محمد شفیع



مسٹر عبداللہ ابن یوسف علی آئی سی ایس





سر محمد شفیع

اجلاس بست و سوم

منعقدہ رنگون سنہ ۱۹۰۹ء

صدر آنریبل مہاراجہ سر محمد علی محمد خانصاحب بہادر کے۔سی۔آئی۔ای محمود آباد

آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے سنہ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی امیر الدولہ سید الملک ممتاز جنگ بہادر راجہ سر محمد امیر حسن خاں تھا۔ مہاراجہ صاحب موصوف والد کے انتقال کے بعد مسند نشین ریاست ہوئے۔ اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی کی عمدہ تعلیم حاصل کی۔ اردو شاعری سے ذوق ہے۔ ساحر تخلص فرماتے ہیں۔ مرثیہ گوئی میں درجۂ کمال کے ساتھ پڑھنا بھی سننے کے لائق ہے۔ آپ امیر کبیر ہونیکے باوصف منکسر المزاج۔ باخلاق۔ سیر چشم اور فیاض طبع ہیں۔ شروع سے پولٹیکل۔ مذہبی و علمی خدمات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ہمیشہ اپنی دولت و اثر کا بیش بہا حصہ ملکی و قومی خدمات میں صرف کرتے ہیں۔ قوم کی خواہشوں کا مطالبہ کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا اور نہ طلب حقوق کے وقت اپنے نقصان کی کبھی پرواہ کی۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں نوجوانان ہندوستان کی حمایت میں مصروف رہے۔ علی برادران کے چھوڑانے میں کوشاں رہے۔ کانگریس سے ملکر سمجھوتہ میں پیش پیش تھے۔ گورنر خلاف ہو گئے لیکن مطلق پرواہ نہ کی۔ جو رائے قائم کی تھی۔ جو خیال پیش نظر تھا اسی پر رہے اور پبلک طور پر ہز آنر کے خیالات کا جواب ترکی بہ ترکی اخبارات کے ذریعہ دیا۔ برسوں مسلمانوں کی پولٹیکل انجمن آل انڈیا مسلم لیگ کے پریسیڈنٹ رہے۔ لاکھوں روپیہ قومی۔ تعلیمی، سیاسی امور میں صرف کیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ میڈیکل کالج۔ ایسوسی‌ایشن تعلقداران۔ امیر الدولہ ہائی سکول۔ امیر الدولہ پارک لائبریری مستقل اعانت کی ممنون ہیں۔ جب صدر دفتر کانفرنس کو مضبوط کرنے کے لئے، دوامی گرانٹ کی اپیل کی گئی تو آپ نے چھ سو روپیہ کی مستقل سالانہ گرانٹ عطا فرمائی۔ سنہ ۱۹۰۷ء کے اجلاس میں بمقام لکھنؤ تمام مہمانوں کو شاندار پارٹی ہزاروں روپیہ کے صرف سے دی اور پینتیس ہزار کا عطیہ سائنس کی تعلیم کے لئے مرحمت ہوا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں جب ہز ہائی نس آغا خان بالقابہ مسلم یونیورسٹی کا تخیل لیکر آئے ہیں تو اسی تخیل کو وجود میں لانے کا بڑا ذریعہ مہاراجہ صاحب ہی ہیں۔ اپنی ذات سے سوا لاکھ چندہ پیش کیا اور پنجاب سندھ آگرہ و اودھ کے مختلف شہروں میں دورہ کرکے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے حصول چارٹر میں قواعد اور بائی لاز کی ترتیب میں گورنمنٹ آف انڈیا کے تعلیمی ممبر، سے زبانی گفتگو و تحریر میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔ وائسرائے اور صوبہ کی لوکل گورنمنٹ کی کونسلوں میں بحیثیت مسلم نمایندہ کئی مرتبہ نشست کی۔ ہمیشہ قومی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے سب سے پہلے وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں ہوم ممبری کے معزز عہدہ سے مسلسل تین سال کی خدمات کے بعد سبکدوش ہوئے۔ ملک معظم کیطرف سے مہاراجہ کا خطاب عطا ہوا ہے۔ آج بھی آپ کی ذات گرامی قومی ہمدردی کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔ خدا کرے کہ یہ بدیر رہے۔ (آمین)

اجلاس بست و چہارم

منعقدہ ناگپور سی۔پی سنہ ۱۹۱۰ء

صدر عبد اللہ ابن یوسف علی ایم۔اے خان بہادر ایل۔ایل ایم۔آئی سی ایس پینشنر ڈپٹی کمشنر

آپ عربی النسل ہیں۔ قدیم وطن یمن تھا۔ اس کے بعد مسقط ہوا اور پھر ہندوستان آپ کے والد سورت میں میونسپلٹی کے چیرمین تھے۔ تعلیم بمبئی میں ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں بی۔اے کیا۔ گورنمنٹ سے وظیفہ قابلیت لیکر انگلستان، گئے اور کیمبرج سے ایم۔اے و ایل۔ایل۔ایم کی ڈگری حاصل کرکے، بیرسٹری کی سندلی۔ سول سروس میں اول درجہ میں پاس ہوئے ۱۸۹۶ء میں ہندوستان واپس آئے اور بعہدہ اسسٹنٹ کلکٹر و مجسٹریٹ صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے ضلع سہارنپور میں تعینات ہوئے۔ مختلف اضلاع میں جنٹ، رہے پھر مجسٹریٹ ہو گئے۔ گورنمنٹ انڈیا میں انڈر سکرٹری اور ڈپٹی سکرٹری رہے۔ پہلے ہندوستانی تھے جن کو انڈیا کی سکرٹریٹ میں عہدہ دیا گیا۔ آخر میں ضلع سیتا پور سے نیکنامی کے ساتھ پنشن لے لی۔ علاوہ اردو۔ ہندی۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ گجراتی۔ مرہٹی زبانوں کے فرانسیسی لاطینی زبانوں میں کافی مہارت ہے۔ سروس سے علیحدہ ہوکر کئی مرتبہ لندن گئے لندن یونیورسٹی میں اردو۔ ہندی اور مذاہب و تمدن مشرقیہ کے لکچرار ہو گئے۔ حیدرآباد میں صدر المہام مالگذاری بھی رہے۔ معلومات بہت، وسیع ہیں۔ ذخیرۂ کتب آپ کے پاس بیش بہا ہے۔ اب آپ کا مستقل قیام لندن میں ہے۔

اجلاس بست و پنجم

منعقدہ دہلی۔ سنہ ۱۹ء

(صدر ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان بہادر بالقابہ)

حالات صدر اجلاس شانزدہم منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۱۱ء میں تحریر ہو چکے ہیں

اجلاس بست و ششم

منعقدہ لکھنؤ سنہ ۱۹۱۲ء عیسوی

صدر عالیجناب میجر سید حسن صاحب مرحوم بلگرامی ایم۔ ڈی۔ ڈی۔ ایچ۔ بی۔ آئی۔ ایم۔ ایس

آپ نواب عماد الملک اور علامہ سید علی کے چھوٹے بھائی تھے۔ انکی تعلیم و تربیت بھی اُنہی اصول پر ہوئی جسپر آپ کے بھائیوں کی ہوئی تھی۔ آپ نے عربی فارسی۔ انگریزی۔ مرہٹی زبانوں میں کافی طور سے قابلیت پیدا کر کے فن طب کے اصول جدیدہ پر ڈاکٹری اور سرجری کی تعلیم پاکر نظری و عملی طریقے سے کامیابی حاصل کی تھی۔ کچھ روز تک انگریزی فوج میں میجر ڈاکٹر رہے۔ پھر انگلستان چلے گئے۔ ڈاکٹری کی پریکٹس کو جاری رکھتے ہوئے پالٹکس اور مسئلہ تعلیم پر بہت غور کیا۔ دس بارہ سال انگلستان میں رہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان واپس آئے کچھ دن حیدر آباد۔ لکھنؤ وغیرہ میں قیام کرنے کے بعد مستقل سکونت علی گڑھ میں اختیار کی۔ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ جماعت نے جب آپ سے تبادلۂ خیالات کیا تو آپکی ذات کو مجموعۂ کمالات پایا۔ مسلم لیگ کے سکرٹری منتخب ہوئے۔ نمود و نمائش کو پسند نہ فرماتے۔ اصول اور قاعدہ کی زندگی بسر کی۔ آپ کا چھوٹا سا کتبخانہ بحر بیکراں تھا۔ علی گڑھ میں ایک سکول سینیر کیمبرج ایگزامینیشن جاری کیا تھا۔ سکول کی نگرانی۔ بچوں کی تربیت خود اپنے ذمہ لی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں کانفرنس کی میٹنگ سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں ہوئی اس میں شریک ہونیکے واسطے شملہ جاتے ہوئے سر راہ اتر پڑے تھے۔ شملہ پہونچکر سر سید علی امام کے یہاں ٹھہرے۔ دو دن بعد شبکو لیٹے اور ایسے سوئے کہ حشر میں اٹھیں گے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اجلاس بست و ہفتم

منعقدہ آگرہ سنہ ۱۹۱۳ء

صدر آنریبل جسٹس مسٹر شاہ دین صاحب سابق چیف جج ہائیکورٹ پنجاب؛
حالات صدر اجلاس نہم منعقدہ علی گڑھ سنہ ۱۸۹۴ء میں تحریر ہو چکے ہیں

اجلاس بست و ہشتم

منعقدہ راولپنڈی سنہ ۱۹۱۴ء

صدر مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب خان بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔
سابق پریسیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ریاست بھاولپور

آپ راجپوت مسلمان ہیں۔ ابتدائی نشو و نما وطن مالوف موضع تھسکہ میرانجی ضلع کرنال میں ہوئی۔ ورنیکولر مدرسہ میں مڈل پاس کر کے پانچ روپیہ کا وظیفہ قابلیت حاصل کیا۔ پھر نارمل اسکول دہلی میں داخل ہوئے۔ مشرقی تعلیم پوری کر کے نوکری کی طرف مائل ہوئے۔ ابتداءً سنہ ۱۸۷۹ء میں پندرہ روپیہ تا پچیس تک کی مدرسی ملی۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں ترقی کر کے چیفس کالج لاہور کی، صدر مدرسی پر پہونچ گئے۔ مولوی صاحب موصوف ان منتخب افراد قوم میں سے ہیں جو زور بازو سے بڑھکر اعلیٰ مدارج پر پہونچے ہیں۔ نواب صاحب بھاولپور اسی زمانہ میں لاہور کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ان کے لئے ایک لائق مصاحب کی تلاش تھی۔ مولوی صاحب کے اوصاف نے ان کے لئے اس منصب کی سفارش کی جو مصاحبت کے بعد سنہ ۱۸۹۲ء میں ہز ہائی نس کے ایڈی کانگ مقرر ہوکر اسٹیٹ کی ملازمت سے وابستہ ہوگئے۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں سبکدوشی حاصل کی۔ پانچ سال کی ملازمت سے مستحق پنشن نہ تھے۔ لیکن عمدہ خدمات کے صلے میں خاص پنشن ہوگئی پر کچھ دن وطن میں رہے پھر مظفر نگر اور کرنال کی ریاست کے مینیجر ہوکر سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۰۳ء تک رہے۔ پھر نواب صاحب نے پرائیوٹ سکرٹری کے عہدہ پر یاد فرمالیا۔ ایک سال کے اندر ریاست کے چیف جج ہوگئے سنہ ۱۹۰۵ء میں فارن سکرٹری ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں کونسل آف ریجنسی کی صدارت پر فائز ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں سی۔ آئی۔ ای کا گورنمنٹ سے خطاب ملا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں پبلسٹی بورڈ انڈیا کے ممبر ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں بصلۂ خدمات جنگ کے۔ سی۔ آئی۔ ای بنائے گئے۔ سنہ ۱۹۱۴ء و سنہ ۱۹۱۹ء میں دو مرتبہ صدر اجلاس ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں بمقام لکھنؤ ندوۃ العلماء کی صدارت فرمائی۔ سنہ ۱۹۲۳ء و سنہ ۱۹۲۴ء میں انجمن مسلم راجپوتانہ پنجاب کے صدر ہوئے۔ آل انڈیا تنظیم کمیٹی کے عارضی اور آل انڈیا تبلیغ الاسلام کے مستقل صدر ہیں۔ اب حصول پنشن کے بعد ملکی و قومی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں۔ راسخ العقیدہ۔ پابند مذہب۔ با اخلاق مسلمان ہیں۔

اجلاس بست و نہم

منعقدہ پونا سنہ ۱۹۱۵ء

صدر جسٹس سر عبد الرحیم ایم۔ اے۔ بیرسٹر ایٹ۔ لا۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔

سنہ ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی عبد الرب صاحب ضلع لاناپور (بنگال) کے زمیندار تھے۔ دادا زمیندار ہونے کے علاوہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے۔ سر ممدوح کا تعلق ایک شریف امیر اور تعلیم یافتہ خاندان سے ہے۔ لاناپور سے میٹرک اور پریسیڈنسی کالج کلکتہ سے اعلیٰ قابلیت کے ساتھ بی۔ اے و ایم۔ اے کی سند لی۔ صوبہ بھر میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ قانونی تعلیم انگلستان کے لئے بیگم صاحبہ، بھوپال کی طرف سے اسکالرشپ ملا۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں بیرسٹری کر کے واپس آئے اور کلکتہ میں پریکٹس شروع کی۔ شرع محمدی و قانون فوجداری میں خاص قابلیت حاصل کی تھی۔ آپ نے ایک مسلمان مسلم فقیہ بننے کا، تہیہ کر لیا تھا اس لئے عربی۔ فارسی۔ اردو کتابوں کو خصوصیت کیساتھ

مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے عرصہ میں فوجداری کے نکات قانونی کی شہرت عام حاصل کر لی تو گورنمنٹ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ڈپٹی ریمبرنسر بنا دئے گئے۔ ڈیڑھ سال کے بعد پھر پریکٹس شروع کر دی۔ اس مرتبہ پریسیڈنسی مجسٹریٹ بنا دئے گئے۔ تین سال کے بعد پھر پریکٹس کی۔ ۱۹۰۷ء میں محمدن جورس پروڈنس (اصول قانون) ٹیگور لا کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ لیکچرز ۱۹۱۱ء میں بصورت کتاب شائع ہو چکے ہیں جو قانون محمدی پر قابل دید ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ ۱۹۱۵ء تک پبلک سروس کمیشن کے ممبر رہے۔ ۱۹۱۶ء ۱۹۱۹ء قائم مقام چیف جسٹس ہائی کورٹ بھی رہے۔ عرصہ تک مدراس یونیورسٹی کے سنٹ اور سینڈیکٹ کے ممبر رہے۔ مدراس اور میسور یونیورسٹیوں میں کونوکیشن ایڈریس دئے۔ ۱۹۱۶ء میں ندوۃ العلماء اور ۱۹۲۰ء میں مجلس العلماء کی استقبالیہ کمیٹیوں کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۳ء کے مشہور ڈپوٹیشن کے رکن تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ مدراس محمدن ایجوکیشنل ایسوسی ایشن انجمن اسلام کے ٹرسٹی ہیں۔ مدرسۂ اعظم اور گورنمنٹ محمدن کالج مدراس کے بورڈ کے صدر ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں قیصر ہند کا دوسرے درجہ کا تمغہ ملا۔ بنگال میں ۵۶ فی صدی مسلمانوں کی آبادی دیکھکر جب آپ نے ادہر توجہ کی ہے تو ہندو پریس اور اخبارات چلا اٹھے۔ قوم کو سنبھالنے کی کوشش جو کی، تو تمام ہندو لیڈران مخالف ہو گئے۔ ابنائے وطن کی کھلم کھلا مخالفت دیکھکر مسلمان سوراجسٹ پارٹی سے علیحدہ ہو گئے

مسلم پارٹی سر عبد الرحیم کی صدارت میں بہت، طاقتور بن گئی مگر مسئلہ وزارت پر ابنائے وطن نے دہوکہ دیا۔ سر پی۔ سی رائے اور آپ کی خط وکتابت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسوقت آپ بلاشبہ مسلمانان بنگال کے بڑے لیڈر ہیں۔

اجلاس سی ام

منعقدہ علی گڑھ ۱۹۱۶ء

صدر خان بہادر سر میاں محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا کے۔ سی ایس آئی

۱۸۶۹ء میں بمقام موضع باغبانپورہ مضافات لاہور اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قرآن پاک سے شروع ہوئی۔ پھر موضع کے، ورنیکولر اسکول کی تعلیم ختم کرکے سنٹرل ماڈل اسکول لاہور میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۸۷ء میں کامیابی کے ساتھ میٹرک کیا۔ اس کے بعد کرسچین کالج میں ڈیڑھ سال تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۹ء میں لندن چلے گئے۔ ۱۸۹۲ء میں بیرسٹری کا ڈپلومہ لے کر ہندوستان واپس آئے، اور ضلع ہوشیارپور میں پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۸۹۵ء میں چیف کورٹ لاہور میں آکر پریکٹس شروع کی۔ خوش بیان اور اچھے مقرر و قانون داں ہونے کے سبب چند، دن میں چوٹی کے بیرسٹروں میں شمار ہونے لگا۔ ۱۸۹۹ء میں بار ایسوسی ایشن کے سکرٹری منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۹ء میں پنجاب لیجس لیٹیو کونسل میں نشست کی۔ ۱۹۱۲ء میں امپیریل لیجس لیٹیو کونسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں عارضی ہائی کورٹ مدراس کی جگہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۷ء میں پنجاب بار ایسوسی ایشن کی وائس پریسیڈنٹی اور پریسیڈنٹی کی۔ ۱۹۱۹ء میں وزیر تعلیم ہوئے۔ آخر ۱۹۲۲ء تک پبلک ہیلتھ و ممبر تعلیمات کا آفس زیر نگرانی رہا۔ ۱۹۲۲ء تک صوبہ پنجاب کی، پراونشیل مسلم لیگ کے آنریری جنرل سکرٹری رہے۔ نیشنل کانگریس سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ لیکن جب کانگریس دو حصوں میں منقسم ہو گئی یعنی لبرل، اور ماڈریٹ تو ماڈریٹ کی تائید میں ہو گئے۔ ۱۸۹۷ء میں پنجاب یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے۔ مختلف اوقات میں قومی تعلیمی سیاسی معاملات میں، صدارت کے فرائض انجام دئے ہیں۔ ۱۸۹۸ء میں مسلم یونیورسٹی کے ٹرسٹی مقرر ہوئے۔ سرسید اور علی گڑھ کی تحریکوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی۔ امداد کا سوال پیش ہوا تو پانچہزار جیب سے دیا۔ علاوہ ازیں صوبہ پنجاب کی سرمایہ بہم پہنچانے کی کوشش بلیغ کی۔ ۱۹۲۲ء میں سر ولیم ونسینٹ کی سبکدوشی پر سر موصوف انتظامی کونسل وائسرائے کے پریسیڈنٹ بنائے گئے۔ اسی، دوران میں ڈہاکہ۔ رنگون۔ لکھنو۔ علی گڑھ۔ دہلی کی یونیورسٹیاں عالم وجود میں آئیں۔ آپ کو تعلیمی کاموں میں بہت دلچسپی ہے۔ جون ۱۹۱۶ء میں، سی۔ آئی۔ ای اور جنوری ۱۹۲۲ء میں کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے خطابات ملے۔ ۱۹۲۳ء میں مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری آپ کو دی گئی ہے۔ آپ بھی گول میز کانفرنس میں بہ حیثیت مسلم نمایندہ صوبۂ پنجاب بمقام لندن تشریف لے گئے تھے۔

دعا رہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم پرور ہستیوں کا سایہ مسلمانان پنجاب و ہند پر عرصہ دراز تک قائم رکھے۔ آمین۔ مسلم یونیورسٹی کا چارٹر شملہ سے سنہ میں آپ ہی علیگڑھ لائے تھے۔

اجلاس سی ویکم

منعقدہ کلکتہ ۱۹۱۷ء

(صدر نواب حیدر نواز جنگ بہادر سر محمد اکبر نذر علی حیدری)

آپ کا مفصل حال حیدرآباد کے حالات میں مختصر بیان ہو چکا ہے۔

اجلاس سی ودویم

منعقدہ سورت ۱۹۱۸ء

(صدر آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ کے۔سی۔ایس۔آئی)

آپ کے والد مسٹر رحمت اللہ قادر بھائی بمبئی کے بڑے تاجر تھے۔ آپ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میں سرعت کے ساتھ ترقی کی لیکن اتفاقاً ۱۸۷۹ء میں میٹرک کی ناکامیابی اور خانگی دشواریوں کے باعث تعلیم کا خاتمہ ہوگیا۔ کرکٹ ٹینس کے بہترین کھلاڑی تھے۔ اعلےٰ کیپر کرٹ ہونے کی وجہ سے اسلامی جیم خانہ کے کپتان تھے۔ ۱۸۸۰ء میں والد کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپکے دل میں معزز اور باوقار شہری بننے کی پر حوصلہ خواہش نے امنگ پیدا کردی تھی۔ اخبارات کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ فن تقریر میں مہارت تامہ پیدا کی۔ اب آپ کے دل میں عزم و ارادہ کی استواری پیدا ہوئی۔ انڈین نیشنل کانگریس بن چکی تھی۔ چند ہی دن میں ارادہ کی پختگی ہمت۔ استقلال۔ ثابت قدمی کی صفات نے ہندوستان کے مشہور اور قابل لوگوں کی صف اولین میں پہونچادیا۔ ہز ہائی نس سر آغا خان بالقابہ نے ایک مرتبہ آپ کی نسبت تقریر میں فرمایا کہ

"ہماری قوم نے جنوبی ہند میں جو مشہور ہستیاں پیدا کیں انمیں، سر ابراہیم رحمت اللہ سب سے زیادہ قابل ہیں۔"

آپ نے مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں بھی کافی اعتبار و اعتماد حاصل کیا۔ ۱۸۹۲ء میں بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں جسٹس آف دی پیس بنائے گئے ۱۸۹۸ء میں کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر ہوئے پھر صدر ہوگئے۔ ۱۹۱۹ء میں صوبہ کی کونسل کے ممبر ہونے تک ۲۶ سال کارپوریشن سے تعلق رہا۔ آپ کی شہری خدمات شاندار ہیں۔ اسکول کمیٹی کے ممبر رہے۔ باوجود مخالف جماعتوں کے اردو مدارس میں قرآن شریف کی تعلیم عام کرائی۔ ۱۹۰۲ء بمبئی کے شریف اور فیلو ہوئے۔ ۱۹۰۹ء تک بمبئی لیجس لیٹیو کونسل کے ممبر رہے۔ ۱۹۱۰ء میں اوقاف عامہ کی رجسٹری کا بل پیش کیا۔ گو پاس نہ ہوا لیکن انھیں اصولوں پر ۱۹۲۳ء میں مسلم اوقاف ایکٹ پاس ہوا۔ فرنطینۂ حجاج کوشش کرکے دور کرایا۔ ۱۹۰۷ء میں سی۔آئی۔ای اور ۱۹۱۱ء میں سر کا خطاب ملا۔ ۱۹۲۰ء میں پنجاب ایکٹ آپ ہی کی توجہ سے پاس ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں، کے۔سی۔ایس۔آئی کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں کونسل کے صدر ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے پمفلٹ کے ذریعہ اصلاح یونیورسٹی کے لئے کمیشن کا مطالبہ کیا تھا تو اس کمیشن کے صدر ممبر ہوئے۔ ایک مہینہ تک شہادتیں قلمبند کیں۔ اہم شعبہ جات یونیورسٹی کی جانچ کی۔ قواعد و قوانین و طرز عمل پر غور کرکے ایک مبسوط رپورٹ کے ذریعہ اصلاحات کی سفارش کی۔ علی گڑھ تحریک کی، تاریخ میں سب سے بڑا انقلاب جو اس وقت پیش آیا وہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب سی۔آئی۔ای۔پی۔ایچ۔ڈی پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کا تینتیس سال کے بعد ۲۷ اپریل ۲۸ء کو یونیورسٹی کی خدمات سے سبکدوش ہونا ہے۔ آپ بھی مسلم جماعت کے نمایندہ ہو کر گول میز کانفرنس میں لندن تشریف لے گئے تھے۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں آپ سنٹرل لیجسلیٹیو اسمبلی کے صدر ہوئے۔

اجلاس سی و سوم

منعقدہ خیرپور سندھ ۱۹۱۹ء

(صدر شمس العلماء نواب سر شمس الہدیٰ صاحب مرحوم کے۔سی۔ایس۔آئی)

آپ مغربی بنگال کے شریف اور ذی علم خاندان کے فرد تھے۔ مذہبی علوم کے ماہر اور عربی کے فاضل تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے ایم۔اے تھے۔ قانونی امتحان کے بعد کلکتہ میں پریکٹس شروع کی۔ کامیاب، وکیلوں میں شمار ہوتے تھے۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے جج بھی رہے۔ پھر گورنر بنگال کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہوئے۔ شمس العلماء، خان بہادر، نواب، سر، کے۔سی۔آئی۔ای کے معزز خطابات ملے۔ عمدہ سیرت اور قدیم وضع کے ساتھ عالمانہ شان رکھتے تھے۔ آخر زندگی تک قومی لباس میں رہے جج کی کرسی پر بھی عمامہ اور جبہ برابر رہا۔ کتابوں کا مطالعہ کبھی نہ چھوڑا۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ناگپور ۱۹۱۰ء میں کلکتہ سے آکر شریک ہوئے۔ مسئلہ وقف علی الاولاد میں علامہ شبلی نعمانی، علیہ الرحمۃ کو قانونی و شرعی پہلو کے لحاظ سے خاص طور پر امداد دی۔ افسوس کہ یکایک طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے آپ ڈاکٹروں کے انکار کردینے پر صدارت نہ فرماسکے اور آپ کا خطبہ صدارت مولوی سر رحیم بخش صاحب پریسیڈنٹ کونسل بہاولپور کو سنانا پڑا۔ نواب صاحب کا وجود مسلمانان بنگال کے لئے گراں قدر سرمایہ تھا جس کی تلافی مدتوں نظر نہیں آتی۔ ستر سال کی عمر میں ۱۹۲۳ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اجلاس سی و چہارم

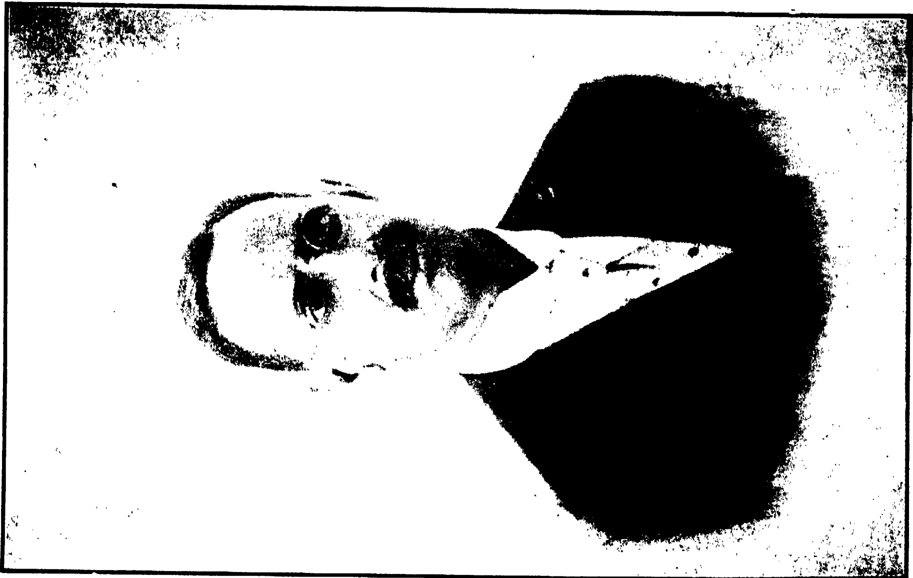
منعقدہ امراؤتی ۱۹۲۰ء

صدر آنریبل خان بہادر سر ابراہیم ہارون جعفر صاحب رئیس پونا

آپ مشہور تاجر پونا خان بہادر ہارون جعفر کے صاحبزادے، تھے۔ جن کی نیکی۔ اخلاقی فیاضی۔ علمی یادگار "جعفر ہال" موجود ہے۔ سر ابراہیم نامور والد کے انتقال کے بعد خانگی جھگڑوں میں مبتلا ہوگئے

آنریبل خان بہادر سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب مرحوم

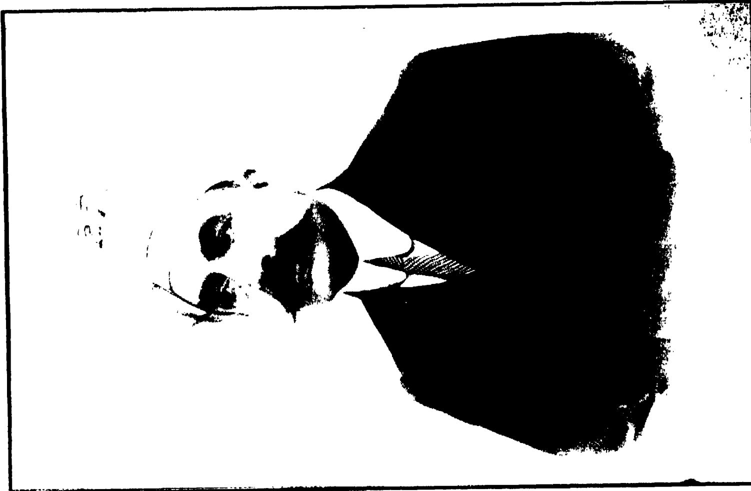




آنریبل میاں سر فضل حسین صاحب

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم





نواب سر عبدالقیوم خان بہادر کے سی آئی ای

آنریبل جسٹس سر شیخ عبدالقادر





میجر سید حسن بلگرامی مرحوم

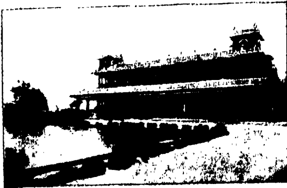


نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سیدراس مسعود



بابا خلیل داس صاحب داعی کانفرینس منعقدہ بنارس





تجارت کو نقصان ہوا۔ لیکن فطری ہمت و مستعدی سے مشکلات پر غالب آئے۔ نہ صرف اعتدال پر لانے کی کوشش کی۔ بلکہ پونا کے مسلمانوں کی تعلیمی و سوشل ترقی کی اصلاح میں آغاز شباب ہی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ بعض شہرت پسند ہمعصروں نے بارہا مرحوم کو مفید ارادوں میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہی لیکن ان کی قومی محبت اور ولولۂ خدمت نے ان کو کبھی مایوس نہ ہونے دیا۔ باہمت کارکن ہونے کے ساتھ اعلیٰ منتظم تھے۔ مدارس اردو کو صوبۂ بمبئی میں پھیلانے کی خاص کوشش کی۔ رکن کونسل آف اسٹیٹ کی حیثیت سے ایک اسکیم پیش کی جو منظور ہو گئی کہ مسلمانوں کا روپیہ جو ڈاک خانوں کے سیونگ بنکوں میں جمع ہے اور سرکاری کفالت میں لگا ہے۔ نیز جس کا منافعہ مسلمان مذہبی احکام کی بنا پر نہیں لیتے۔ وہ مسلمانوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کے صدر ہوئے۔ پانچ سال وئسرائے کی اسمبلی کے ممبر رہے۔ افسوس کہ ۱۹۳۰ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اجلاس سی و پنجم

منعقدہ علی گڑھ ۱۹۲۲ء

صدر خان بہادر آنریبل سر میاں فضل حسین صاحب

آپ راجپوت مسلمان ہیں۔ جون ۱۸۷۷ء میں بمقام پشاور پیدا ہوئے زمانۂ طفولیت میں بہت نحیف الجثہ تھے۔ صحت بھی کچھ اچھی نہیں رہتی تھی۔ پڑھنے لکھنے میں ذہین تھے۔ انیس سال کی عمر میں بی۔ اے کر کے انگلستان چلے گئے۔ اور ۱۹۰۱ء میں بیرسٹری کی سند لیکر ہندوستان واپس آئے۔ انگریزی ادب۔ تاریخ۔ سیاست۔ علم نفسیات۔ قانون۔ ادبیات کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ مختلف سوسائٹیوں۔ انجمنوں۔ اخباروں میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اظہار خیال فرمایا ہے۔ سیالکوٹ میں پریکٹس شروع کی۔ چند ہی دن میں قانون دان بیرسٹروں میں شمار ہونے لگے۔ ۱۹۰۵ء سے چیف کورٹ پنجاب میں پریکٹس شروع کرنے کے بعد صوبہ کے ممتاز بیرسٹروں میں تسلیم کئے جانے لگے۔ انھیں دنوں سودیشی تحریک و ترکوں کی حمایت میں خاص طور سے حصہ لیا۔ اسلامیہ کالج لاہور کے آنریری پرنسپل رہے۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۲۰ء تک اسلامیہ کالج کا نظم و نسق آپ ہی کی توجہ کا منت پذیر رہا۔ موجودہ درجہ تک ترقی دینے میں آپ کی ساعی کا غیر معمولی حصہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے ممتحن رہے۔ سنڈیکٹ کی کمیٹی کے ممبر رہے۔ ۱۹۱۶ء میں یونیورسٹی کی طرف سے قائم مقام منتخب ہو کر لیجسلیٹو کونسل میں گئے۔ ۱۹۱۹ء سے سیاسی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے پنجاب کے معتمد لیڈروں میں شمار ہونے ہیں۔ آپ وزیر تعلیم بھی رہ چکے

ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں لاکھ کا بجٹ منظور کرایا۔ جس کی مدد سے ڈسٹرکٹ بورڈ میں ابتدائی اور دیسی مڈل اسکولوں کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ ۱۹۲۴ء میں جب کانفرنس ہذا کا خطبۂ صدارت پڑھا گیا ہے تو عام طور پر اخبارات میں اس پر تنقید و تبصرہ کیا گیا کہ ایسا عمدہ اور فاضلانہ ایڈریس صدر کیجانب سے اب تک اجلاس کانفرنس میں نہیں پڑھا گیا۔ آجکل موصوف گورنمنٹ انڈیا کے ممبر ہیں۔

اجلاس سی و ششم

منعقدہ علی گڑھ ۱۹۲۳ء

صدر صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب مرحوم بی۔ اے کنٹب بیرسٹر ایٹ لا

صاحبزادہ صاحب مئی ۱۸۶۷ء میں اپنے وطن کنجپورہ ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نواب غلام احمد خان صاحب احمدی نہایت روشن خیال۔ علم دوست۔ باوقار اور باوضع بزرگ تھے۔ حسن صورت کیساتھ قدرت نے حسن سیرت بھی عطا فرمایا تھا۔ جنھوں نے اپنی عمر کے گرانمایہ اوقات ریاست گوالیار کی معزز خدمت میں بسر کئے۔ مہاراجہ گوالیار کی نظر میں ان کی بڑی توقیر و منزلت تھی۔ گوالیار ہی کو انہوں نے مسکن بنا لیا تھا۔ لیکن مدفن کے لئے علی گڑھ کی سرزمین منتخب ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۱۸ اپریل ۱۸۹۰ء کو رحلت فرمائی اور بمقام علی گڑھ درگاہ شاہ جمال کے قریب میں خوشنما قبہ کے نیچے آرام فرما رہے ہیں۔ جب صاحبزادہ صاحب کی عمر تعلیم و تربیت کے قابل ہوئی تو عمدہ تعلیم و تربیت پر خصوصیت کے ساتھ توجہ کی گئی۔ ۱۸۷۶ء میں علی گڑھ اسکول میں داخل ہوئے۔ انکی جودت طبع۔ خوش تقریری اور پر حوصلہ خواہشات نے سرسید مرحوم کی توجہ کو بہت کچھ اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ ایف۔ اے تک مدرسۃ العلوم میں پڑھنے کے بعد ۱۸۹۱ء میں انگلستان گئے۔ تاریخ میں بی۔ اے آنرز اور اس کے علاوہ بیرسٹری کی ڈگری لی۔ واپسی انگلستان پر سرسید کی خواہش پر علی گڑھ میں بود و باش اختیار کر لی۔ وکالت شروع کرتے ہی قانونی قابلیت نے مشہور کر دیا۔ ۱۸۹۷ء میں سرسید نے مدرسۃ العلوم کا ٹرسٹی مقرر کر دیا۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کے انتقال کے بعد سرسید میموریل فنڈ کمیٹی کے سکرٹری منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں بلڈنگ ڈپارٹمنٹ کے انچارج ٹرسٹی بنائے گئے۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۷ء تک کانفرنس ہذا کے آنریری جوئنٹ سکرٹری رہے۔ دفتر کانفرنس کی عمارت کے لئے ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال کی توجہ مائل کرا کے پچاس ہزار کے صرف سے سلطان جہاں منزل تعمیر کرانا آپ ہی کا کام تھا۔ حضور نظام سے کانفرنس کی امداد کے لئے حیدرآباد کا سفر کر کے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ حاصل کیا۔ ۱۹۱۶ء میں

جب اس خدمت سے سبکدوش ہوئے ہیں تو بارہ ہزار سالانہ کی مستقل آمدنی چھوڑی۔ تقریباً ایک ہزار کتابیں کانفرنس فنڈ سے خرید کر داخل کتب خانہ سلطان جہاں منزل کیں۔ جن میں ہر ملک کے اقسام تعلیم کا خزانہ موجود ہے۔ مختلف شہروں میں کانفرنس کی لوکل کمیٹیاں قائم کرائیں۔ ۱۹۰۹ء میں ٹیچرس کانفرنس قائم کی۔ ۱۹۱۴ء میں تعلیمی حقوق کی حفاظت کا رزولیوشن پاس کرایا۔ ۱۹۱۷ء میں انڈیا آفس لندن سے تعلق ہوا۔ ۵ سال میں ہندوستان واپس آئے۔ مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری پر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی کی پچاس سالہ جوبلی آپ ہی کی شاندار کوشش سے منائی گئی۔ ۱۹۲۶ء میں عہدہ وائس چانسلری کی میعاد ختم ہونے پر دوبارہ آپکا نام پیش ہوا مگر افسوس کہ صحت کی خرابی کیوجہ سے اپنا نام واپس لینے پر مجبور ہو گئے کبھی کانگریس کے ممبر نہیں ہوئے۔ اپنے والد کی یادگار میں اپنے ہاتھوں سے ایک اندپور کا اسکول کھولا۔ ۲۵ جنوری ۱۹۲۹ء کو فالج میں مبتلا ہوئے اور طویل علالت کے بعد افسوس کہ ۱۹۳۰ء میں انتقال فرما گئے۔ اپنے تعمیر کردہ اندپور کے اسکول گراونڈ میں دفن ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اجلاس سی و ہفتم (منعقدہ بمبئی ۱۹۲۴ء)

(صدر عالیجناب آنریبل سر ابراہیم رحمت اللہ بالقابہ)

حالات صدر اجلاس منعقدہ سورت ۱۹۱۸ء میں تحریر ہو چکے ہیں۔

اجلاس سی و ہشتم (منعقدہ علیگڑھ ۱۹۲۵ء)

صدر نواب صاحبزادہ سر عبدالقیوم صاحب آف پشاور کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے۔ بی۔ ایم۔ ایل۔ اے

آپ سلطان ابراہیم لودہی کی اولاد میں ہیں۔ یہ خاندان نسبی اعزاز کے علاوہ علمی، اخلاق کے لحاظ سے نمایاں خصوصیت رکھتا تھا۔ اسلئے افراد خاندان صاحبزادہ کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ نواب صاحب ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے عربی فارسی کے بعد انٹرنس تک انگریزی پڑہی۔ پشتو فارسی کے علاوہ اردو انگریزی میں کافی استعداد پیدا کی ۱۸۸۷ء میں گورنمنٹ برطانیہ کی ملازمت اختیار کی خوش تدبیری اور قابلیت کے سبب اعلیٰ مناصب تک ترقی کی۔ سرحدی کمیشنوں کے آپ ممتاز رکن رہے ہیں۔ اکثر نازک معاملات سرحدی حل کئے ہیں۔ برطانیہ اور آفریدی وشنواری خوشگوار تعلقات پر گورنمنٹ کا درہ خیبر پر دانشمندانہ عمل کیساتھ کاربند رہنا نواب صاحب ہی کی سنجیدہ پالسی کا نتیجہ ہے اس سیاسی حکمت عملی کا اعتراف میں گورنمنٹ ہند نے آپکو چترال اور خیبر جیسی اہم ایجنسی کا جو سرحد کی کنجی ہے پولٹیکل ایجنٹ بنایا۔ ورنہ یہ عہدہ تجربہ کار یورپین افسران کے سپرد ہوتا تھا جنگ عظیم کے زمانہ میں جو سرحد پر آپنے امن قائم رکھی اسکے صلہ میں نواب اور کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطابات ملے۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان سے انگریزوں کی آخری جنگ ہوئی۔ اس موقع پر بھی آپنے نمایاں خدمات انجام دیں جبکا صلہ گرانقدر جاگیر کیصورت میں آپکو ملا۔ اسکے بعد پنشن لے لی۔ سرحدی جرگوں میں علمی اسپرٹ پھیلانے کے متعلق آپکی نمایاں یادگار اسلامیہ کالج پشاور ہے۔ تقریباً پندرہ لاکھ روپیہ علاقہ سرحد سے وصول کیا۔ دو سو ایکڑ زمین خریدی۔ وسیع پیمانہ پر کالج و ہوسٹل کی عمارات تعمیر کرائیں۔ نماز کیلئے عظیم الشان مسجد بنوائی۔ درہ خیبر سے نکلنے میں یہ پہلی رفیع الشان عمارت ہے جو ہندوستان میں داخل ہونیوالوں کو نظر پڑتی ہے۔ ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۶ء میں لیجسلیٹیو اسمبلی کے ممبر نامزد ہوئے۔ امارت۔ ثروت حکومت کے موجود ہوتے ہوئے آپکی خانگی زندگی سادہ اور بے تکلف اور پر اخلاق واقع ہوئی ہے ہر گروہ سے تواضع و تکریم کیساتھ پیش آتے ہیں۔ حاجتمندوں کی حاجت برآری میں خاص ذوق ہے۔ سیر چشمی مہمان نوازی انکا جوہر طبیعت ہے*

اجلاس سی و نہم (منعقدہ دہلی ۱۹۲۶ء)

صدر سر عبدالرحیم کے۔ سی۔ ایس۔ آئی بالقابہ

حالات صدر اجلاس بست و نہم منعقدہ پونا میں تحریر ہو چکے ہیں۔

اجلاس چہل (منعقدہ مدراس ۱۹۲۷ء)

صدر سر شیخ عبدالقادر خاں بہادر۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای

آپ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ قصور ضلع لاہور کے معزز خاندان شیوخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم و تربیت عمدہ ہوئی۔ ذہانت کے باعث بہترین طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ فارسی کی تعلیم آپکے والد نے دی ہے۔ ۱۶ سال کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپنے جوانمردی کیساتھ مقابلہ کیا۔ فورمین کرسچین کالج میں تعلیم حاصل کی۔ مشہور اردو مصنفین کی کتابوں پر جو وقتاً فوقتاً آپنے لکچر دئے ہیں ۱۸۹۸ء میں شائع ہو گئے ہیں ۱۸۹۴ء میں بی۔ اے کی ڈگری لی ۱۸۹۵ء میں اخبار "آبزرور" کی اسسٹنٹ اڈیٹری پر مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں چیف اڈیٹر ہوئے ۱۹۰۱ء میں رسالہ "مخزن" نکالا۔ اسکے مضامین اسقدر مقبول ہوئے کہ سرکاری مدارس اور دولت آصفیہ کے اسکولوں میں کتابی شکل میں چھپکر داخل ہوئے ۱۹۰۴ء میں انگلستان گئے اور ۱۹۰۷ء میں بیرسٹری کی سند لی۔ لندن میں سیاسی و تعلیمی معلومات کے علاوہ فرانسیسی زبان میں مہارت پیدا کی اور پیرس۔ میلان۔ انیس قسطنطنیہ۔ شام۔ بوڈاپسٹ۔ وائنا۔ برلن وغیرہ بھی گئے۔ واپس ہو کر دہلی میں پریکٹس شروع کی۔ پھر لاہور چلے گئے۔ ۱۹۱۱ء میں لائل پور کے گورنمنٹ پلیڈر پبلک پراسیکیوٹر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں استعفیٰ دیکر پھر پریکٹس کی ۱۹۲۱ء میں عارضی جج ہوئے اور پھر ایکسال بعد اڈیشنل جج ہائیکورٹ ہو گئے۔ آخر ۱۹۲۶ء تک لیجسلیٹیو کونسل کے ممبر و وائس پریسیڈنٹ و پریسیڈنٹ رہے جو سب سے پہلے مسلمان تھے۔ ۱۹۲۵ء میں وزیر تعلیم بھی ہو گئے۔ ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کے نمایندہ ہو کر انجمن اقوام عالم میں جینوا گئے۔ ۱۹۲۷ء میں سر کا خطاب ملا اور ریونیو ممبر ایگزیکیٹو کونسل پنجاب رہے۔ ۱۹۲۸ء میں مستقل طور پر ہائیکورٹ کے جج ہوئے

(انتخاب کردہ نشتر بلرامی)

اجلاس چہل و یکم

منعقدہ اجمیر ۱۹۲۸ء

(صدر آنریبل ڈاکٹر جسٹس سر شاہ محمد سلیمان جج ہائی کورٹ الہ آباد)

آنریبل ڈاکٹر صاحب کی پیدائش ۱۸۸۵ء ہے۔ آپ ہندوستان کے قدیم مردم خیز خطہ یعنی جونپور کے شرفاء قدیم سے ہیں۔ زمانۂ بچپن ہی سے آپ علم دوست۔ ذکی اور بلا کے طباع تھے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے الہ آباد گورنمنٹ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری درجہ اول میں حاصل کی۔ بی۔ اے کے بعد بیرسٹری کی ڈگری کے واسطے آپ ولایت گئے۔ جہاں سے ایل۔ ایل۔ ڈی کی بھی ڈگری حاصل کی۔ واپسی پر الہ آباد میں پریکٹس شروع کی۔ اور بہت جلد خاص شہرت حاصل کرکے اپنے ہم پیشہ جماعت کی صفِ اول میں آگئے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے مقدمہ میں اڈریس کرنے پر ہی چیف جسٹس نے آپ کی قابلیت اور محنت کی بہت زیادہ داد دی تھی۔ غرضیکہ بہت ہی قلیل عرصہ میں آپ کی قابلیت کا شہرہ عام ہوگیا۔ یہانتک کثرتِ کار کی وجہ سے تندرستی پر اثر محسوس ہوا جو اصل وجہ آپ کی ججی قبول فرمانے کی ہوئی۔ باوجود سرکاری کام کی مشغولیتوں کے آپ کا قریب قریب کل پرائیوٹ وقت قومی و ملکی خدمات میں گزرتا ہے اور اس سب پر طرہ یہ ہے کہ بلاناغہ دیر تک آپ کتب بینی فرماتے ہیں۔ سرکار عالیہ نے قابلیت ذاتی و حسن خدمات کے صلہ میں آپ کو سر کا معزز خطاب عطا فرمایا ہے اور پبلک آپ کو اپنا انتہائی ہمدرد و رہبر جانتی اور مانتی ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ دشوار اور نازک کام صوبہ فرنٹیر کی تحقیقاتی کمیٹی کی صدارت کا کام تھا۔ جس کو موصوف نے علاوہ جسارت کے نہایت ایمانداری سے اس طریقہ پر انجام دیا کہ دوست و دشمن۔ راعی و رعایا دونوں آپ کی صداقت و قابلیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ صوبہ کی قریب چالیس انجمنوں کے آپ سرپرست و کارکن ہیں اور بہ کثرت سرکاری و غیر سرکاری قومی و ملکی خدمات آپ سے متعلق ہیں۔

۱۹۲۸ء میں آپ نے آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت فرمائی اور ۱۹۲۹ء و ۱۹۳۰ء کے بیشتر مدت مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی جس کے آپ ممبر کورٹ ہیں انتہائی نازک دورا ور متزلزل حالتوں میں عہدہ وائس چانسلری کا کام انجام دیکر ناخدائی فرمائی۔ علاوہ وقت کے اپنی گاڑھی کمائی سے جس کی تعداد ہزارہا سے تجاوز کرتی ہے، یونیورسٹی کی خدمت میں اپنے پاس سے صرف کیا اور یونیورسٹی پر کبھی اپنا کوئی بار نہیں ڈالا۔ آپکا ایثار۔ انتھک محنت۔ پرخلوص محبت کے باعث قریب قریب ہر شخص آپ کا گرویدہ ہے اور اہل ہند اس وقت کے منتظر ہیں جبکہ آپ کو چیف جسٹس کی کرسی پر دیکھیں۔ آپکے دسترخوان پر ہمیشہ سہ دیشی سامان نہایت وافر اور خوش ذائقہ رہتا ہے۔

اجلاس چہل و دویم

منعقدہ بنارس دسمبر ۱۹۳۰ء

صدر نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سید راس مسعود وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

آپ کی تاریخ ولادت ۱۵ فروری ۱۸۸۸ء ہے۔ بمقام علی گڑھ سرسید ہاؤس میں آپ پیدا ہوئے اور حسن اتفاق کہ اسی سال آپ کے جد سرسید علیہ الرحمۃ کو گورنمنٹ عالیہ سے کے۔ سی۔ ایس آئی کا معزز خطاب ملا۔ جس کی وجہ سے سرسید علیہ الرحمۃ کی خوشی اور آپ سے محبت کی انتہا نہ تھی۔ آپ کا سلسلۂ نسب تاجدار دو عالم آنحضرت صلعم سے ملتا ہے اور آپ کا خاندان شرفاء قدیم سے ہے جو ہمیشہ معزز رہا ہے۔ آپ کی ساتویں پشت میں نواب سید محمد دوست صاحب مرحوم شہنشاہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے ہمراہ ملک دکن تشریف لیگئے اور اس خاص مہم کو انتہائی جنگی قابلیت اور بہادری کے ساتھ بلا شرکت غیرے تن تنہا فتح کیا۔ اس نمایاں کارگزاری کے صلہ میں انکو شہنشاہ کی طرف سے "یکہ بہادر" کا معزز خطاب مرحمت ہوا تھا۔ انکے پوتے نواب سید ہادی صاحب عالمگیر ثانی کے عہد میں مقربین خاص میں سے تھے۔ جن کو ان کی اعلیٰ قابلیت اور ذاتی اقتدار کے باعث خطاب "جواد علی خاں" منصب ہزاری و پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ سے شہنشاہ نے سرفراز فرمایا تھا۔ بزمانۂ شاہ عالم خطاب جواد الدولہ و نیز عہدۂ احتساب دکن صوبہ شاہجہاں آباد و عہدہ قضائے لشکر تفویض ہوا تھا۔

خاندان مغلیہ کے زوال کے ساتھ دیگر وابستگان سلطنت بھی تباہ و برباد ہوگئے تھے مگر چونکہ قدرت کو سرسید علیہ الرحمۃ سے دور جدید میں مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود کا کام لینا تھا اس وجہ سے یہ قدیم اور معزز خاندان اس عالمگیر تباہی و بربادی سے بچگیا۔ المختصر یہ کہ نواب مسعود جنگ بہادر سرسید علیہ الرحمۃ جیسے بڑے دادا کے پوتے اور سید محمود مرحوم جیسے بڑے باپ کے جن کی علمی اور خاصکر قانونی قابلیت کا دنیا لوہا مانتی ہے اکلوتے بیٹے ہیں۔ اسی وجہ سے تمام گھرانے اور خاصکر اپنے دادا کو اور بھی پیارے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت پر بھی خاص توجہ تھی۔ بچپن ہی سے آپ نہایت متین اور مذہبی

تھے۔ سر مورلیسن اور خاصکر لیڈی مارین کو آپ سے بیحد انس تھا۔ جنھوں نے زمانہ بچپن ہی سے مثل اولاد پرورش کیا تھا اور آج بھی اولاد سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ دس سال کی عمر میں متواتر سخت اور جانکاہ حادثات پیش آئے۔ اول سرسید علیہ الرحمۃ اور پھر والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھا مگر آپ نہایت صبر و شکر کے ساتھ مطالعہ میں مصروف رہے۔ ۱۹۰۵ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرکے بمشورہ سر تھیوڈور ماریسن تکملہ تعلیم کی غرض سے ولایت گئے جہاں نیو کالج آکسفورڈ میں علم تاریخ میں نام آورں ہو اور ۱۹۱۰ء میں آنرس کے ساتھ ڈگری حاصل کی۔ قیام لندن اور طالب علمی کی حالت میں آپ کو ہندوستان کے مسائل سے کافی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں جبکہ انگریز و ہندوستانی طلبا کے درمیان کچھ اختلاف رائے ہوا تو آپ نے اس موضوع پر لندن کے مشہور و معزز اخبار ٹائمز میں ایک مضمون شائع کرایا جسکی شہرت دور و نزدیک ہوئی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں بیرسٹری کی ڈگری لے کر ہندوستان واپس آئے۔ سب سے پہلے بانکی پور پٹنہ میں کام شروع کیا۔ لیکن پیشہ وکالت کو اپنی طبعیت کے موزوں نہ پاکر ہائی سکول پٹنہ کے عہدہ ہیڈ ماسٹری کو قبول کرلیا۔ جس کی جانب ابتدا ہی سے آپ کا رحجان طبع تھا۔ آپ پہلے ہندوستانی ہیں جو اس وقت آئی۔ ای۔ ایس میں داخل ہوئے تھے۔ زاں بعد کنگ کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے اور بہت جلد عہدہ وائس پرنسپلی پر ترقی پائی کچھ دن بعد اعلیٰحضرت بندگان عالی حضور نظام کی مردم شناس نگاہ نے آپ کا انتخاب عہدہ نظامت تعلیمات پر ۱۹۱۶ء میں فرمایا۔ جہاں آپ ۱۹۲۹ء تک باحسن وجوہ کام کرتے رہے اور جو جو ترقیاں اس دور میں ہوئیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے ساتھ آپ کا نام ہمیشہ وابستہ رہیگا۔ انجمن ترقی اردو اور دائرۃ المعارف ہمیشہ آپ کے رہین منت رہیں گے۔ آپ نے چشم دید حالات کے بعد جاپانی نظم تعلیم پر جو کتاب لکھی ہے اس سے آپ کی ٹھوس قابلیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آخر ۱۹۲۹ء میں قوم اور اکابران قوم کی درخواست پر باوجود علالت طبع اور دیگر ذاتی ضروریات کے اپنی واحد آل انڈیا قومی درسگاہ کا انتظام و انصرام ہاتھ میں لیا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد کی نگرانی پر قوم کی اولاد کی نگرانی کو ترجیح دی کہ اس قلیل عرصہ میں کم و بیش تیس لاکھ روپیہ کی امداد حاصل کی جدید قابل و تجربہ کار اساتذہ جمع کئے اور یونیورسٹی کے اسٹینڈرڈ کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ قوم کی خواہش پر دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت فرمائی اور بحیثیت صدر کانفرنس بمقام بنارس جو مختصر و معرکۃ الآرا خطبۂ صدارت پڑھا ہے وہ فضاء عالم میں عرصہ دراز تک گونجتا رہیگا اور اہل علم اور دردمند دنیا سے برابر خراج تحسین حاصل کرتا رہیگا اور جو کوئی بھی اس کی تجاویز پر عامل ہوگا بالیقین دامن مراد بھر لیگا۔

مختصر حالات نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی رئیس اعظم حبیب گنج سکرٹری آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خانصاحب شروانی علی گڑھ کے نامور رئیس ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ مصنف مشہور ادیب و انشا پرداز ہیں اور اپنے علم و فضل کے لحاظ سے علماء کے حلقہ میں شہرت و امتیاز رکھتے ہیں۔ آپ نے مشاہیر علماء و اساتذہ سے تعلیم پائی ہے اور کثرت مطالعہ اور علمی مشاغل کی مصروفیت نے آپ کے علمی مرتبہ کو بہت بلند کردیا ہے۔ علمی ذوق کی بناء پر آپنے حبیب گنج میں ایک کتابخانہ بھی قائم کیا ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ کتابخانہ مختلف مشرقی علوم کی کتابوں پر جاری ہے اور عربی و فارسی کی تمام مستند و معتبر کتابیں یہاں موجود ہیں۔ بہت سی قلمی کتابیں مختلف حیثیتوں سے نادر الوجود ہیں جو سالہا سال کی کوشش اور صرف زر سے حاصل ہوئی ہیں۔ بہت سے اصحاب علمی تحقیقات کے سلسلہ میں اس کتابخانہ سے مستفید ہوچکے ہیں۔ تصوف و فارسی علم ادب کے لحاظ سے یہ کتابخانہ خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہے۔

نوابصاحب ممدوح ایک خوش گو شاعر ہیں۔ حسرت تخلص ہے فارسی و اردو دونوں زبانوں میں آپ کا کلام موجود ہے۔ اور ارباب ذوق سے خراج تحسین حاصل کرچکا ہے۔ متعدد فارسی و اردو اساتذہ کے کلام پر آپ نے معرکۃ الآرا و محققانہ تبصرے لکھے ہیں جس سے آپ کی کاوش فکر و ذوق سخن کا اندازہ ہوتا ہے۔ غرض آپکے علمی محاسن و کمالات کا احاطہ آسانی سے نہیں کیا جاسکتا۔ علیگڑھ تحریک سے آپ کا خاندانی تعلق ہے۔ شروانی امراء ابتداء سے سرسید مرحوم کے معاون و مددگار رہے۔ نوابصاحب بھی سرسید کے زمانہ میں

کالج کے ٹرسٹی مقرر ہوئے اور اب مسلم یونیورسٹی ہونے کے بعد ممبر کورٹ اور مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے سکرٹری ہیں۔

جب صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب مرحوم انڈیا کونسل کے ممبر ہو کر سنہ ۱۹۱۷ء میں انگلستان تشریف لے گئے تو آپ مرحوم کی جگہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جائنٹ سکرٹری اور سنہ ۱۹۲۰ء میں آنریری سکرٹری مقرر ہوئے۔ آپ کے عہد میں کانفرنس کا، اثر دور دور پھیلا اور کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس۔ دہلی۔ ممالک متوسط اور اجمیر و بنارس وغیرہ جیسے اہم مقامات پر کانفرنس کے سالانہ اجلاس کامیابی سے منعقد ہوئے اور اس ذریعہ سے علی گڑھ تحریک کا دائرہ اثر وسیع ہوا۔ آپ کے عہد میں کانفرنس نے طلبہ کے وظائف میں اضافہ کیا۔ مکاتب قائم کئے اور ان کی امداد کی۔ نیز مفید تاریخی۔ علمی و تعلیمی تصنیفات کے ذریعہ سے اردو کے ذخیرہ علم و ادب میں معقول اضافہ کیا۔ اس کے موقت الشیوع رسائل شائع کئے اور اب بھی، ممدوح کی نگرانی میں ایک تعلیمی و اصلاحی اخبار "کانفرنس گزٹ" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ کانفرنس کی تعلیمی لائبریری میں بھی آپکے عہد میں معقول اضافہ ہوا۔ کم و بیش بارہ سال تک آپ دولت آصفیہ میں امور مذہبی کے عہدہ پر ممتاز رہے جو ایک نہایت جلیل القدر عہدہ ہے۔ اعلیحضرت حضور نظام نے حسن خدمات کے صلہ میں آپ کو نواب صدر یار جنگ بہادر کا خطاب عطا فرمایا۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں آپ اس عہدہ سے سبکدوش ہوئے اور اب کانفرنس کی خدمت اور علمی مشاغل میں مصروف ہیں۔ ابھی گزشتہ دسمبر میں بنارس کے کامیاب و شاندار اجلاس میں علی حزیں پر ایک معرکۃ الآرا لکچر دیا، جو نہایت پسند کیا گیا۔

آنریری جوئنٹ سکرٹری و اسٹاف کانفرنس

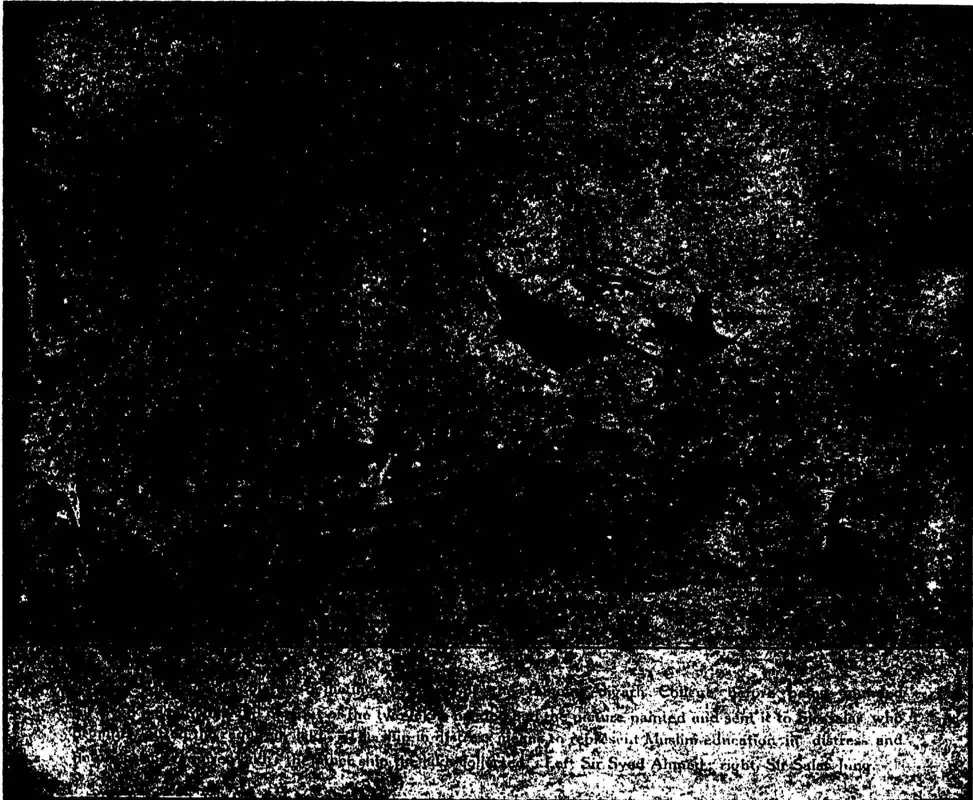
آجکل اس کے آنریری جوئنٹ سکرٹری جناب مولانا طفیل احمد صاحب علیگ ہیں۔ موصوف سنہ ۱۸۷۹ء میں اپنے وطن منگلور ضلع سہارنپور سے آکر علی گڑھ کالجیٹ اسکول میں داخل ہوئے۔ آپ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم کے خاص الخاص دوستوں میں ہیں آپ علی گڑھ میں ایسی ساعت میں تشریف لائے ہیں کہ اب علیگڑھ سے جدائی ناممکن سی ہے۔ بلکہ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ مولانا اور علیگڑھ ایک ذات ہوگئے ہیں۔

مولانا صاحب کے خلوص۔ راست بازی اور حقیقی کام نے ہر کہہ و مہ کو آپ کا گرویدہ بنادیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ لوگ آپکے سامنے اور غیبت میں یکساں طور پر محبت کیساتھ آپکا نام عزت سے لیتے ہیں آپکا حلقۂ احباب بہت محدود ہے۔ علی گڑھ کی تمام تر آبادی میں، جناب خان بہادر مولوی حبیب اللہ خاں صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ پنشنر و ممبر کورٹ آپکے واحد دوست ہیں۔ آپکا عہدۂ ملازمت بظاہر ایک چھوٹا عہدہ یعنی (سب رجسٹرار) تھا لیکن اپنی دیانت اور سینس آف ڈیوٹی کے باعث بڑے بڑے عہدہ داران سے زیادہ حاکم و محکوم سب کے دلمیں آپ کی حقیقی عزت تھی اور اب ہی۔ سنہ ۱۹۰۷ء سے آپ علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی اور یونیورسٹی کورٹ کے ممبر منتخب ہوتے چلے آتے ہیں۔ سرکاری ملازمت سے پنشن یاب ہونیکے بعد آپ صوبہ ہذا کی کونسل کے ممبر بھی تین سال رہے۔ ممبران کونسل و سرکار میں جو وقعت آپ کی تھی وہ کوئی پوشیدہ راز نہ تھا۔ کونسل کی ممبری کے زمانہ میں آپکی زندگی نے پلٹا کھایا۔ پہلے آپ ہر معاملہ میں گورنمنٹ برطانیہ کے زبردست موید تھے۔ مگر اب عرصہ دو سال سے آپ سوراجسٹ جماعت کے حامیان ہیں یا قومی دردکی آپ زندہ تصویر ہیں اور مجسم عمل ہیں۔ مسلمانوں کے فلاح دنیوی کی غرض سے عرصہ سے آپ رسالہ سود مند بدایوں سے نکال رہے ہیں۔ حکومت خود اختیاری آپکی زبردست تالیف ہے۔ عرصہ بیس سال سے آپ کانفرنس کی خدمت فرمارہے ہیں اور آٹھ سال سے اسکے آنریری جوئنٹ سکرٹری ہیں۔ خدا پاک آپکو عرصہ دراز تک دائم و قائم رکھے اور آپ جیسی چند ہی ہستیاں اس قوم میں پیدا کردے۔ آمین

خانصاحب سید میر ولایت حسین صاحب سنہ ۱۹۲۲ء سے کانفرنس آفس کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ آپ سنہ ۱۸۸۲ء میں اپنے وطن ریواڑی سے آکر کالج کے ایف۔ اے کلاس میں داخل ہوئے اور سنہ ۱۸۸۶ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرکے اسکول اسٹاف میں شامل ہوگئے۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں سیکنڈ ماسٹر ہوگئے اور سنہ ۱۹۲۰ء تک اسی عہدہ پر رہے۔ اس درمیان متعدد بار عارضی ہیڈ ماسٹر رہے۔ سنہ ۲۲ء سے کانفرنس کی خدمت کررہے ہیں۔ اپنی نیکی و حسن خدمات کے صلہ میں آپکو گورنمنٹ سے خانصاحب کا خطاب ملا ہے۔ راقم الحروف کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جناب میر صاحب قبلہ اور علی گڑھ کالج عرصہ سے مرادف نام ہیں۔

اس وقت کانفرنس کی مستقل آمدنی ۲۵ تا ۳۰ ہزار سالانہ ہے اور اسی قدر خرچ ہے۔ آمدنی کا بڑا جزو اعلیحضرت حضور نظام عالی مقام کا ایک لاکھ پچتر ہزار کا گرانقدر عطیہ ہے جو شکل پرومیسری نوٹ بمد مستقل جمع ہے۔ ۲۲ سو روپیہ سرکار بھوپال۔ ایک ہزار دربار بھاولپور چھ سو ہز ہائی نس حیدرہ اور چار سو والی ٹونک سے مقرر ہے۔ علاوہ ازیں چھوٹی رقومات ہیں۔ والسلام مع الاکرام۔ بندہ بخیریت اور خدا کی خیریت نیک مطلوب ہے۔

ایک تمثیلی تصویر جسمیں مشہور علیگڑہ کالج کی ضرورتوں کا اظہار کیا گیا ہے اُس کی بنیاد سے قبل جب سر سید احمد خاں نے دو لاکھ روپے میں سے ایک لاکھ روپیہ جمع کر لیا تو اُنھوں نے اِس تصویر کو تیار کرکے سر سالار جنگ کے پاس بھیجا جنھوں نے فوراً ایک لاکھ روپے کی مطلوبہ رقم مرحمت فرمائی۔ طوفان میں جہاز سے یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم تباہی میں ہے اور ایک لاکھ کی ضرورت ظاہر کرتا ہے۔ دوسرا جہاز جمع شدہ ایک لاکھ روپیہ ظاہر کرتا ہے۔ بائیں طرف سر سید احمد خاں ہیں اور دائیں طرف سر سالار جنگ ہیں۔





ایڈیٹر۔ مرزا ابراہیم علی بیگ